سورۃ
المجادلة

۵۸۔ اَلْمُجَادَلَۃ

نام سورہ کا آغاز ایک خاتون کی تکرار کے واقعہ سے ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "اَلْمُجَادَلَۃ" (تکرار) ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور سورہ احزاب کے بعد یعنی ۵ھ کے بعد نازل ہوئی۔

مرکزی مضمون اہلِ ایمان کو ان کی ازدواجی زندگی سے متعلق درپیش مسئلہ میں قانونِ الٰہی کو واضح کرتے ہوئے، نیز آدابِ مجلس سے متعلق ہدایت دیتے ہوئے، مخلصانہ ایمان اور منافقت کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۴ میں ظِہار (بیوی کو اپنی ماں کی پیٹھ کہہ کر اپنے اوپر حرام کرلینا) کے شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں۔

آیت ۵ اور ۶ میں اللہ کے شرعی احکام سے انکار کرنے والوں کو سخت سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔

آیت ۷ تا ۱۱ میں منافقوں کی ریشہ دوانیوں اوران کی فتنہ انگیز سرگوشیوں کا ذکر کرتے ہوئے، اہلِ ایمان کو مجلسی آداب کی تلقین کی گئی ہے۔

آیت ۱۲ اور ۱۳ میں رسول سے سرگوشی کے سلسلہ میں ایک خاص حکم دیا گیا ہے۔

آیت ۱۴ تا ۲۲ میں منافقوں پر گرفت کرتے ہوئے سچے مؤمنوں کی پہچان بتادی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَة

۵۸۔سورة المجادلة

آیات:۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ
تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ①

۱ اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو (اے نبی!) تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ کے سامنے شکوہ کررہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگوسن رہا تھا۔ بلاشبہ اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ ۱

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ
اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ
اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②

۲ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کر بیٹھتے ہیں ۲۔ (یعنی ان کو ماں کی پشت سے تشبیہ دیتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے ۳۔ یہ لوگ ایک نہایت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں ۴۔ اور بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ ۵

وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا
فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ③

۳ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کر بیٹھیں پھر اپنی کہی ہوئی بات (یعنی جس کو انہوں نے حرام قرار دیا اس) کی طرف لوٹیں انہیں ایک گردن (غلام یا لونڈی) کو آزاد کرنا ہوگا قبل اسکے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ۶۔ اس بات کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ ۷ اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ
فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ④

۴ اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے ۸، قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ۹۔ یہ اس لئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو ۱۰۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ۱۱۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ۱۲

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ⑤ۚ

۵ جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ۱۳، وہ اسی طرح ذلیل ہونگے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل ہوئے ۱۴۔ ہم نے نہایت واضح آیتیں نازل کی ہیں۔ اور کافروں کیلئے رسواکن عذاب ہے۔

١۔ اس آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی تفصیل روایتوں میں بیان ہوئی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ خولہ بنت ثعلبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا یہ دکھڑا سنایا کہ ان کے شوہر اوس بن صامت نے ان کی جوانی سے تو فائدہ اٹھایا لیکن اب جبکہ وہ بوڑھی ہوگئی ہیں اور ان کے بچے بھی ہیں جذبات میں آ کر کہہ دیا کہ تم میرے لئے ایسی ہو جیسے ماں کی پشت (یعنی تم مجھ پر حرام ہو) اب مجھے پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے خاص طور سے اپنے بچوں کی وجہ سے اس لئے میں اللہ کے حضور اپنی یہ شکایت پیش کرتی ہوں۔ انہوں نے اپنا یہ مقدمہ نبی ﷺ کے سامنے پرزور طریقہ پر پیش کیا اور یہ صراحت کرتے ہوئے کہ ان کے شوہر کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، اس بات پر اصرار کیا کہ ان کے شوہر کیلئے رجوع کی صورت نکالی جائے۔ آپ نے اس پر توقف کیا اور کچھ ہی دیر میں یہ سورہ نازل ہوئی جس کا آغاز ہی اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ نے اس خاتون کی فریاد سن لی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ کے سامنے اپنی شکایت پیش کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اور بعد کی آیتوں میں کفارہ کا حکم دے کر ملاپ کی اجازت دے دی گئی بشرطیکہ کفارہ پہلے ہی ادا کر دیا جائے (ان روایتوں کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۲۰،۳۱۹)

اس خاتون نے نبی ﷺ کے سامنے اپنے مقدمہ کو جس انداز میں پیش کیا اس کو 'مجادلہ' (جھگڑنے) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ جھگڑا ایمان کے اخلاص کے ساتھ مصالحت کی غرض سے تھا اور اس میں اللہ سے فریاد کی گئی تھی اس لئے اللہ کی اس پر نظر عنایت ہوئی اور اس کی مشکل کو دور کرنے کے لئے وحی الٰہی کا نزول ہوا جس نے 'ظہار' کے سلسلہ میں شرعی احکام واضح کر دئے اور 'ظہار' کر بیٹھنے والوں کے لئے خلاصی کی صورت نکالی۔

اور یہ جو فرمایا کہ '' اللہ تمہاری گفتگو سن رہا تھا'' تو اس سے یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے اور ان کی ایک ایک بات سنتا ہے اور ان کی فریاد کو پہنچتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی دستگیری کے لئے ہر طرف اور ہر جگہ موجود ہے۔

٢۔ 'ظِھار' یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہہ دے کہ تو میرے لئے ماں کی ظَھَرْ یعنی پشت جیسی ہے عربوں میں یہ رواج (Custome) چلا آ رہا تھا کہ جو شخص یہ الفاظ کہہ دیتا اس کی بیوی اس پر تاعمر حرام ہوتی اور اسے وہ طلاقِ مغلظہ قرار دیتے۔

ظَھَرْ (پشت) کا لفظ سواری کے معنی میں ہے جسے وہ کنایہ کے طور پر استعمال کرتے۔

٣۔ یعنی بیوی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی۔ اس کی ماں تو وہی ہے جس نے اسے جنا۔

٤۔ بیوی کو ماں قرار دینا سخت ناپسندیدہ بات بھی ہے اور جھوٹ بھی۔ ناپسندیدہ اس لئے کہ یہ ایک غیر معقول بات ہے اور عورت کی دل آزاری کا باعث بھی۔ اور جھوٹ اس لئے کہ یہ ایک خلافِ واقعہ بات ہے۔

٥۔ یعنی جو شخص بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے کے گناہ کا مرتکب ہوا وہ اللہ سے معافی اور مغفرت طلب کرے کہ اللہ معاف کرنے والا مغفرت فرمانے والا ہے۔

معافی اس گناہ کی جو سرزد ہوا اور مغفرت یعنی بخشش تمام گناہوں سے۔

٦۔ یہ ظِھار کا کفارہ ہے جو اس آیت میں اور اس کے بعد والی آیت میں بیان ہوا ہے۔ ظِھار کے بعد یہ کفارہ لازماً ادا کرنا ہوگا تاکہ اس گناہ کی تلافی ہو جائے جس کا وہ مرتکب ہوا ہے یعنی زوجیت کے تعلق سے ایک صریح جھوٹ کا۔

''اپنی کہی ہوئی بات کی طرف لوٹتے ہیں۔'' کا مطلب یہ ہے کہ پہلے انہوں نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام ٹھہرایا اس کے بعد وہ اس سے زوجیت کا تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں لفظ یَعُوْدُوْنَ (لوٹتے ہیں) لوٹنا چاہتے ہیں کے مفہوم میں ہے (معنی کی اس تحقیق کے لئے دیکھئے علامہ ابن قیم کی زاد المعاد ج ۴ ص ۸۵)

ظِہار کے بعد عورت کو معلق نہیں چھوڑا جاسکتا کیونکہ شریعت نے اس سے منع کیا ہے نیز جو جھوٹی بات اس نے اپنی زبان سے نکالی اس پر قائم رہنا بھی جائز نہیں اس لئے لامحالہ اسے کفارہ ادا کرنا ہی ہوگا تا کہ وہ اپنی بیوی کو واقعی بیوی بنا کر رکھ سکے۔

کفارہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ادا کرنا ہوگا۔ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے (یتماسّا) سے مراد مباشرت ہے اور لفظ '**یتماسّا**' اس کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

کفارہ کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ایک یہ کہ جس نے **ظِہار** کیا ہو وہ ایک گردن یعنی غلام یا لونڈی کو آزاد کرے کہ اس کو آزاد کرنا غلامی سے اس کی گردن چھڑانا ہے۔

دوسری دو صورتیں آگے کی آیت میں بیان ہوئی ہیں۔

۷۔ یعنی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ان شرعی احکام پر عمل کرو۔احکام بیان کرتے ہوئے درمیان میں یہ ارشاد تاکید کے طور پر ہے کہ تمہاری اپنی بھلائی ان احکام پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کرنے ہی میں ہے۔ان کی خلاف ورزی کرنا یا ان کو کھیل بنالینا ہلاکت ہی کا موجب ہوسکتا ہے۔

۸۔ یعنی اگر آزاد کرنے کے لئے غلام یا لونڈی میسر نہ آئے تو پھر لگاتار دو مہینے روزے رکھے۔

موجودہ زمانہ میں غلاموں کا وجود نہیں رہا اس لئے کفارہ ادا کرنے کی دوسری صورت یعنی دو مہینے کے مسلسل روزے اور تیسری صورت جو آگے بیان ہو رہی ہے باقی رہ گئی ہے۔ مسلسل روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ روزوں کا سلسلہ بلا عذر ٹوٹنے نہ پائے۔

۹۔ کفارہ ادا کرنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔قرآن نے اس کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں کی البتہ قسم کے کفارہ کے سلسلہ میں یہ صراحت کی ہے کہ:

مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ اَهۡلِيۡكُمۡ۔ (مائدہ:۸۹) ''اوسط درجہ کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو''

اس لئے آدمی جو کھانا اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے اس جیسا کھانا مسکینوں کو پیٹ بھر کھلاتا ہے تو حکم کا منشا پورا ہوجاتا ہے،حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ غذائی اجناس میں سے کوئی چیز نصف صاع (ایک کلو ۸۸ گرام) فی مسکین کے حساب سے دی جاسکتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں نقد کی ادائیگی کفارہ دینے والے کی سہولت کا باعث ہے اور مساکین بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اس لئے اس مقدار کی قیمت بھی مسکین کو ادا کی جاسکتی ہے تا کہ وہ اپنی پسند کا کھانا کھاسکیں۔

ظِہار کے مسئلہ پر بعض مفسرین نے دور از کار فقہی بحثیں بھی نقل کی ہیں۔اس قسم کی بحثیں قرآن کا مطالعہ کرنے والے کے لئے ذہنی الجھن کا باعث ہیں۔اس سے عمل کی اسپرٹ مجروح ہوجاتی ہے،فقہی جکڑ بندیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہن و فکر کی صحیح تربیت نہیں ہو پاتی کیونکہ توجہ ان بنیادی باتوں کی طرف سے ہٹ جاتی ہے جو متعلقہ آیات میں بیان ہوئی ہیں۔نبی ﷺ نے صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین) کی ذہنی و عملی تربیت اس طرح کی تھی کہ وہ نہ دور از کار فقہی بحثیں چھیڑتے تھے اور نہ فرضی سوالات کھڑے کردیتے تھے بلکہ جب کوئی مسئلہ پیش آجاتا تو اس کا حل تلاش کرتے،اس میں بڑی سلامتی تھی لیکن بعد کے لوگوں میں فقہی ذہن پرورش پایا اور وہ مسائل کو کریدنے لگے۔اس موقع پر بنی اسرائیل کے گائے کو ذبح کرنے کا وہ واقعہ بھی سامنے رکھنا چاہئے جو سورۂ بقرہ میں بیان ہوا ہے کہ جب ان کو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو بجائے اس کے کہ اس مجمل حکم کی تعمیل کرتے انہوں نے طرح طرح کے سوالات کرکے مثلاً یہ کہ اس کا رنگ کیسا ہو اور اس کی عمر کتنی ہو اس کام کو اپنے لئے مشکل بنادیا۔معلوم ہوا کہ جو لوگ دین میں سختیاں پیدا کرتے ہیں ان کو سختیوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

اس آیت کے ذیل میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن نے **ظِھار** کو طلاق نہیں قرار دیا بلکہ اسے منکر اور جھوٹ قرار دیا جبکہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق مغلظہ سمجھا جاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ جس طریقہ کو شریعت کی سند حاصل نہیں ہے اس کا اعتبار نہیں۔ یہ نظیر ہے اس بات کی کہ اکٹھی تین طلاقیں بھی تین طلاقوں کے حکم میں نہیں ہیں کیونکہ طلاق کے اس طریقہ کو شریعت کی سند حاصل نہیں ہے۔

۱۰؎ یعنی یہ احکام جاہلیت کی تاریکیوں کو دور کر کے ہدایت کی راہ روشن کر رہے ہیں۔ ہدایت کی یہ راہ اللہ اپنے رسول کے ذریعہ روشن کر رہا ہے۔ اس روشنی میں چلنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اور یقین رکھو۔

۱۱؎ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے مراد شرعی احکام و قوانین ہیں جن کی حفاظت اور پابندی ایمان کا تقاضا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جاہلیت کے رواج یا خود ساختہ قوانین کو ترجیح دینا ایمان کے بالکل منافی ہے۔

۱۲؎ اخیر میں یہ تنبیہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے احکام و قوانین کو ماننے سے انکار کریں گے ان کے لئے دردناک سزا ہے۔ اور اسی مناسبت سے آگے کی آیتوں میں کافروں اور منافقوں کا کردار اور ان کا انجام بیان ہوا ہے۔

۱۳؎ آج مسلمانوں میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو شرعی قوانین کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ان کی یہ حرکتیں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کے ہم معنی ہیں۔

۱۴؎ مراد وہ گزری ہوئی قومیں ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ
وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۶

[۶] جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا اور انہیں بتائے گا کہ انہوں نے کیا اعمال کئے تھے۔ اللہ نے سب کچھ شمار کر رکھا تھا اور یہ لوگ اس کو بھلا بیٹھے تھے۔ اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ
نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى
مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ
ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۷

[۷] کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ جانتا ہے ہر چیز کو جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے ۱۵۔ ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو اور نہ پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چھٹا اللہ نہ ہو۔ سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں ۱۶۔ پھر قیامت کے دن وہ ان کو بتادے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ؗ وَاِذَا جَآءُوْكَ
حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا
اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۸

[۸] کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جنہیں سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا پھر بھی وہ وہی کام کر رہے ہیں، جن سے انہیں منع کیا گیا تھا ۱۷۔ یہ لوگ گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں خفیہ طور سے کرتے ہیں ۱۸۔ اور جب (اے نبی!) تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں اس کلمہ سے سلام کرتے ہیں، جس سے اللہ نے تم پر سلام نہیں بھیجا ۱۹۔ اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری ان باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا ۲۰۔ ان کے لئے جہنم ہی کافی ہے ۲۱۔ وہ اس میں پڑیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ
اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۹

[۹] اے ایمان والو جب تم سرگوشی کرو تو گناہ، زیادتی اور رسولوں کی نافرمانی کی باتیں نہ کرو، بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو ۲۲۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے حضور تم سب اکٹھا کئے جاؤ گے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ
شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۱۰

[۱۰] یہ سرگوشیاں شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ ایمان رکھنے والوں کو وہ دلگیر کرے ۲۳۔ حالانکہ اللہ کے اذن کے بغیر وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ ۲۴۔

۱۵۔ یعنی اللہ کے علم کا ہمہ گیر ہونا ایک واضح حقیقت ہے جس کو ہر شخص فطرۃً جانتا ہے۔

۱۶۔ یعنی سرگوشی کرنے والے خواہ تین ہوں یا زیادہ یا اس سے کم اللہ اپنے علم، اپنی سماعت و بصارت اور اپنی قدرت کے لحاظ سے وہاں موجود ہوتا ہے اس لئے پوشیدگی میں کی ہوئی باتیں اس سے مخفی نہیں رہ سکتیں۔

۱۷۔ 'نجوی' کے معنی سرگوشی کرنے اور کسی مجلس میں چند آدمیوں کے آپس میں کانا پھوسی کرنے کے ہیں تاکہ دوسروں کو خبر نہ ہو۔ یہ کام اسی صورت میں روا ہوسکتا ہے جبکہ وہ کسی مقصد خیر مثلاً دفعِ شر، لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے وغیرہ کے لئے ہو ورنہ یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ سرگوشیاں بالعموم غلط مقاصد کے لئے ہوتی ہیں مثلاً کسی کو ہدف ملامت بنانے یا کسی کے خلاف سازش کرنے وغیرہ کے لئے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔ (نساء:۱۱۴)

''ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ ہاں جو شخص پوشیدگی میں صدقہ یا بھلی بات یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کی بات کرے تو اس میں ضرور بھلائی ہے۔''

۱۸۔ مراد منافقین ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں شریک ہوجاتے اور پھر آپس ہی میں سرگوشیاں کرنے لگتے ان کی یہ سرگوشیاں دین میں شکوک و شبہات پیدا کرنے، اہلِ ایمان کے خلاف سازشیں کرنے اور رسول کی نافرمانی پر اُکسانے کے لئے ہوتی تھیں۔

۱۹۔ سورۂ احزاب میں نبی ﷺ پر رحمت اور سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (احزاب:۵۶) ''اے ایمان والو تم بھی نبی پر درود اور سلام بھیجو۔''

اس سلام کے لئے **السلام علیک** اور **السلام علیکم** کے الفاظ مشروع ہوئے ہیں۔ لیکن یہود اور ان کے آلہ کار منافقین سلام کا تلفظ ایسا کرتے کہ وہ سام ہوجاتا جس کے معنی ہیں موت چنانچہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ:

''یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے آئی انہوں نے کہا السام علیکم یعنی تم پر موت ہو۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں سمجھ گئی اور جواب میں کہا **وعلیکم السام واللعنة** تم پر موت اور لعنت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا جانے دو عائشہ اللہ ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے کہہ دیا تھا 'علیکم' 'تم پر ہو'' (یعنی ایسے موقع پر جواب میں 'علیکم' 'تم پر ہو' کہہ دینا کافی ہے) (بخاری کتاب الادب)

ان کی اسی حرکت پر اس آیت میں گرفت کی گئی ہے۔

۲۰۔ یعنی اگر واقعی یہ شخص پیغمبر ہے تو ہماری اس بددعا پر ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ یہ ان کا زبردست مغالطہ تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ مجرموں کو مہلت دیتا ہے اور عذاب اپنے وقت ہی پر آتا ہے۔

۲۱۔ یعنی ان کی ان حرکتوں پر دنیا میں عذاب آئے یا نہ آئے اصل عذاب تو جہنم کا ہے جو لازماً انہیں بھگتنا ہوگا اور وہ بہت کافی ہے۔

۲۲۔ یعنی سرگوشیاں لوگوں کی بھلائی اور دینی مصالح کی خاطر ہونی چاہئے نہ کہ شر و فساد اور گناہ کے کاموں کے لئے۔

۲۳۔ یعنی یہ سرگوشیاں جو بری اغراض کے لئے کی جارہی ہیں شیطان کی وسوسہ اندازی اور اکساہٹ کا نتیجہ ہے۔ اہل ایمان جب منافقوں کو سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو انہیں دکھ ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لئے کیسی حرکتیں کر رہے ہیں۔

۲۴۔ یعنی اہل ایمان مطمئن رہیں کہ یہ شر انگیز سرگوشیاں ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ انہیں اسی صورت میں کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے جب کہ اللہ کی مشیت ہو۔ یہ توکل ہی ہے جو حوصلہ مند بناتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ
فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

[۱۱] اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی پیدا کرو اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا ۲۵؎۔ اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو ۲۶؎۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا ۲۷؎۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

[۱۲] اے ایمان والو! جب تمہیں رسول سے سرگوشی کرنا ہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دو ۲۸؎۔ یہ تمہارے لئے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے ۲۹؎۔ لیکن اگر صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ۳۰؎

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ
تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

[۱۳] کیا تم ڈر گئے اس بات سے کہ اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقات دو ۳۱؎۔ تو جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تم کو معاف کر دیا ۳۲؎ تو نماز اہتمام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو ۳۳؎۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا
مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

[۱۴] کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ایسی قوم کو دوست بنایا ہے جس پر اللہ کا غضب ہوا ۳۴؎۔ یہ لوگ نہ تم میں سے ہیں۔ اور نہ ان میں سے ۳۵؎۔ یہ جانتے بوجھتے جھوٹی بات پر قسم کھاتے ہیں۔ ۳۶؎

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

[۱۵] اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بہت بُرا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾

[۱۶] انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے ۳۷؎ اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ۳۸؎۔ ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ ۳۹؎

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

[۱۷] نہ اِن کے مال ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکیں گے اور نہ ان کی اولاد۔ یہ دوزخ والے ہیں۔ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ۴۰؎

۲۵۔ مجلس نبوی میں لوگوں کی آمد بہ کثرت ہوجاتی اور جگہ کافی نہ ہوتی اس لئے حکم یہ دیا گیا کہ مجلس میں اس طرح بیٹھیں کہ بعد میں آنے والوں کے لئے گنجائش نکل آئے۔ اور اس کی یہ جزا بھی بیان کی گئی کہ کشادگی پیدا کرنے والوں کو اللہ کشادگی بخشے گا۔ اللہ کی طرف سے کشادگی میں خیر اور بھلائی میں اضافہ بھی شامل ہے اور جنت کے وسیع باغ بھی۔

کشادگی پیدا کرنا آدابِ مجلس میں سے ہے اس لئے اس حکم کو مجلس نبوی کے لئے خاص نہیں رکھا گیا بلکہ عمومیت کے ساتھ مسلمانوں کی تمام مجلسوں کے لئے یہ حکم دیا گیا خواہ وہ دینی اجتماعات ہوں یا مشاورتی نشستیں ہوں یا دوسرے مفید کاموں کے لئے مجلسیں۔

۲۶۔ یعنی جب نشست برخاست کرنے کا اعلان کر دیا جائے تو اٹھ جایا کرو نیز اگر صدرِ مجلس نشستوں میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کرے تو تمہیں نظم کا پابند ہوجانا چاہئے۔

۲۷۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ کوئی شخص اپنے علم وفضل کے لحاظ سے خواہ کتنے ہی اونچے مرتبہ کا کیوں نہ ہو مجلس کے نظم کی بہرحال اسے پابندی کرنا چاہئے۔ مجلس میں نشست خواہ کسی گوشہ میں مل جائے یا صدرِ مجلس کی ہدایت پر اسے اٹھ کر جانا پڑے تو اسے وہ اپنی کسرِ شان نہ سمجھے۔ اس تواضع ہی میں درجات کی بلندی ہے حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

مَاتَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ۔ (مسلم کتاب البر)

''جو بندہ اللہ کے لئے تواضع (خاکساری) اختیار کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔''

حضرت مسیح علیہ السلام نے ان لوگوں پر سخت گرفت کی ہے جو کرسی کے حریص ہوتے ہیں۔ مرقس کی انجیل میں ہے:

پھر اس نے اپنی تعلیم میں کہا کہ فقیہوں سے خبردار ہو جو لمبے لمبے جامے پہن کر پھرنا اور بازاروں میں سلام اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور ضیافتوں میں صدر نشینی چاہتے ہیں۔ اور وہ بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھے ہیں اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہیں۔ ان ہی کو زیادہ سزا ملے گی۔'' (مرقس ۱۲: ۳۸ تا ۴۰)

اور موجودہ زمانہ میں لیڈر کرسی کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور علماء کا بھی عام طور سے حال یہ ہے کہ وہ مجلسوں میں اونچا مقام چاہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بے وقعت ہو رہے ہیں مگر انہیں اس کا احساس نہیں۔

۲۸۔ صدقہ کا یہ حکم اس لئے دیا گیا تاکہ جو لوگ تنہائی میں نبی ﷺ سے گفتگو کرنا چاہیں انہیں یہ احساس ہو کہ وہ ایک عظیم شخصیت سے بات کر رہے ہیں۔ یہ احساس انہیں غلط بیانی سے بھی باز رکھے گا اور غیر ضروری اور وقت ضائع کرنے والی گفتگو سے بھی۔

۲۹۔ بہتر اس لحاظ سے کہ تمہیں اس کا اجر ملے گا، اور زیادہ پاکیزہ اس لحاظ سے کہ رسول کی خدمت میں تم پاکیزہ جذبات لے کر آؤ گے۔

۳۰۔ یعنی اگر بروقت صدقہ دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو بغیر صدقہ دئے رسول سے تنہائی میں گفتگو کر سکتے ہو اس امید پر کہ اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ رخصت صرف ناداروں کے لئے نہیں تھی کیونکہ اگر ناداروں ہی کے لئے ہوتی تو الفاظ 'فمن لم یجد' (جو شخص صدقہ کے لئے کچھ نہ پائے) ہوتے مگر آیت میں عمومیت کے ساتھ فرمایا گیا کہ فان لم تجدوا (لیکن اگر تم صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ پاؤ) جس کا بظاہر مفہوم یہی ہے کہ جس شخص کو بھی بروقت صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ ملے اس کو اللہ معاف کرنے والا ہے۔

۳۱۔ اگرچہ صدقہ کے مذکورہ بالا حکم میں کافی لچک رکھی گئی تھی پھر بھی اس ہدایت پر عمل کرنے میں صحابہ نے دشواری محسوس کی، بروقت صدقہ کا اہتمام

کرنا مشکل ہے اور بغیر صدقہ دئے نبی ﷺ سے تنہائی میں گفتگو کرنا مناسب نہیں۔ ان کے اسی احساس کو ڈرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ بات بخل کی بنا پر نہیں تھی۔

۳۲۔ یعنی اللہ نے صدقہ دینے کی مذکورہ بالا ہدایت کو تمہارے لئے مزید نرم کر دیا کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ نبی ﷺ سے تنہائی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دینا خیر اور **اطہر** (بہتر اور زیادہ پاکیزہ طریقہ) ضرور ہے لیکن اس کی پابندی لازم نہیں۔

مفسرین نے یہاں ناسخ اور منسوخ کی بحث چھیڑ دی ہے۔ وہ پہلی آیت کو جس میں سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس دوسری آیت سے جس میں معاف کرنے کی صراحت ہے۔ منسوخ مانتے ہیں حالانکہ دوسری آیت میں پہلی آیت کے منسوخ کئے جانے کی کوئی صراحت نہیں ہے اور نہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے۔ دراصل دوسری آیت نے پہلے حکم میں تخفیف کر دی ہے نہ کہ اسے منسوخ کر دیا۔ منسوخ اس صورت میں کیا جاسکتا تھا جب کہ دوسرا حکم سرگوشی سے پہلے صدقہ دینے کو ممنوع قرار دیتا، مگر اس دوسری آیت نے اسے ممنوع نہیں قرار دیا بلکہ تخفیف کر دی اور تخفیف کا یہ حکم اس وقت نازل ہوا جبکہ پہلے حکم کے ذریعہ نبی ﷺ سے تنہائی میں رازدارانہ بات چیت کی غیر معمولی اہمیت اچھی طرح واضح ہو چکی تھی اور اس کا احساس بھی صحابہ کو ہو گیا تھا۔ رہی وہ روایت جس میں بیان ہوا ہے کہ دوسرا حکم پہلے حکم کے چند گھنٹوں بعد نازل ہوا تو یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔

۳۳۔ یعنی اس تخفیف (آسانی) کی بعد تمہیں اپنے مستقل فرائض کی بحسن خوبی پابندی کرنا چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرم ہونا چاہئے کہ یہی چیزیں ایمان میں اخلاص پیدا کرتی ہیں۔

۳۴۔ اللہ کا غضب یہود پر ہوا، اس قوم کو منافقوں نے اپنا دوست بنایا تھا۔ وہ مومنوں کے مقابلہ میں یہود کے مفاد کو ترجیح دیتے تھے۔

۳۵۔ یعنی یہ منافقین نہ اپنے ایمان میں مخلص ہیں کہ مومنوں کے گروہ میں سے ہوں اور نہ یہود ہی کے اصلاً وفادار ہیں، کہ ان میں سے ہوں بلکہ وہ غرض کے بندے ہیں اس لئے ان سے بھی تعلق رکھے ہوئے ہیں اور تم سے بھی۔

۳۶۔ یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا یقین دلاتے ہیں۔

۳۷۔ یعنی بات بات پر جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳۸۔ یعنی ایسی حرکتیں اور ایسی سازشیں کرتے ہیں جو اسلام کی راہ کو روکنے والی ہیں۔

۳۹۔ اوپر فرمایا تھا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور یہاں فرمایا ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ سخت عذاب منافقت کی بنا پر اور ذلت کا عذاب ان کی ان ذلیل حرکتوں کی بنا پر جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرتے رہے۔

۴۰۔ منافق بھی جہنم میں اسی طرح ہمیشہ عذاب بھگتتے رہیں گے جس طرح کہ کھلے کافر۔

جولوگ اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تم کبھی ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوئے نہ دیکھو گے جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں۔ خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان کے لوگ۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے روح کے ذریعہ ان کی مدد کی ہے۔ وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ لوگ اللہ کی جماعت (پارٹی) کے ہیں۔ سن رکھو اللہ کی جماعت (پارٹی) والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ (القرآن)

يَوۡمَ يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا فَيَحۡلِفُوۡنَ لَهٗ كَمَا يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ عَلٰى شَىۡءٍ‌ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں ۴۱؎۔ اور خیال کریں گے کہ وہ کسی بنیاد پر ہیں ۴۲؎۔ سن لو کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔

اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّيۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹ شیطان ان پر مسلط ہوگیا ہے ۴۳؎۔ اور اس نے اللہ کی یاد ان سے بھلادی ہے ۴۴؎۔ یہ لوگ شیطان کی پارٹی کے ہیں ۴۵؎۔ سن لو کہ شیطان کی پارٹی ہی تباہ ہونے والی ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اُولٰٓـئِكَ فِى الۡاَذَلِّيۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہونے والوں میں ہوں گے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ﴿۲۱﴾

۲۱ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے ۴۶؎۔ بلاشبہ اللہ قوت والا غلبہ والا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوۡمًا يُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ يُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَهُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِيۡرَتَهُمۡ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ كَتَبَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ وَاَيَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ‌ؕ وَيُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ حِزۡبُ اللّٰهِ‌ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾

۲۲ جو لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تم کبھی ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوئے نہ دیکھو گے جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں ۴۷؎۔ خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان کے لوگ ۴۸؎۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے روح کے ذریعہ ان کی مدد کی ہے ۴۹؎۔ وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ۵۰؎۔ یہ لوگ اللہ کی جماعت (پارٹی) کے ہیں ۵۱؎۔ سن رکھو اللہ کی جماعت (پارٹی) والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

۴۱؎ یعنی قیامت کے دن بھی وہ اپنے کو بے قصور قرار دینے کے لئے جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ سورۂ انعام میں ہے کہ وہ شرک سے اپنی بے تعلقی کا اظہار قسم کھا کر کریں گے:

وَاللہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ۔ ''اللہ ہمارے رب کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔'' (انعام: ۲۳)

۴۲؎ یعنی وہ خیال کریں گے کہ جھوٹی قسمیں کھا کر وہ اپنے کو مؤمن ثابت کرسکیں گے اور ان کی نجات ہو سکے گی۔

۴۳؎ شیطان صرف وسوسہ اندازی کرتا ہے لیکن جب انسان اس سے متاثر ہو کر اپنی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے تو وہ اس پر قابو پالیتا ہے اور اسے گمراہ کر کے چھوڑتا ہے۔ یہی ہے شیطان کا مسلط ہونا۔

۴۴؎ شیطان کسی کو گمراہ کرنے کے لئے جو بنیادی کام کرتا ہے وہ ہے دل سے اللہ کی یاد بھلا دینا اور اس کی طرف سے توجہ ہٹا دینا۔ اس غفلت میں مبتلا ہو جانے کے بعد کسی بھی برائی کو قبول کرنا انسان کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

۴۵؎ یعنی یہ منافقین شیطان کے ساتھی ہیں اور اس کے اشارہ پر کام کرنے والے ہیں۔

۴۶؎ یعنی اللہ یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے ان کو لازماً مغلوب ہونا پڑے گا، یا تو آسمانی عذاب کے ذریعہ ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا یا میدانِ جہاد میں رسول اور ان کے ساتھیوں کے ذریعہ ان کو بری طرح شکست دی جائے گی۔ نبی ﷺ کے مخالفین کے ساتھ یہ دوسری صورت ہی پیش آئی۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ مؤمن نوٹ ۷۵۔

۴۷؎ یعنی کوئی سچا مؤمن اللہ کے دشمن کو اپنا دوست نہیں بناتا۔ ایک ہی دل میں اللہ کی محبت و وفاداری اور اس کے دشمن سے محبت و وفاداری جمع نہیں ہوسکتی۔

موجودہ زمانہ میں سیکولرزم کے زیر اثر کتنے ہی مسلمانوں نے منافقت کی راہ اختیار کر لی ہے مگر سیکولرزم کا خوبصورت نعرہ حقیقت کو بدل نہیں سکتا۔

۴۸؎ آیت کا منشا یہ ہے کہ کفر اور اسلام کی جنگ میں اہل ایمان کو کافروں سے بے دریغ لڑنا چاہئے۔ خواہ ان کی زد میں ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ آجائیں۔ وہ جب اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر اتر آئے ہیں اور اس کے دین کے خلاف محاذ آرائی کر رہے ہیں۔ تو ان کی محبت اہلِ ایمان کے دلوں میں کہاں جگہ پاسکتی ہے اور وہ ان سے کس طرح دوستی اور موالات کے تعلقات قائم کر سکتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھا جائے خواہ وہ کوئی ہو۔ صحابہ کرام نے اس کی نہایت اعلیٰ مثال قائم کی چنانچہ جنگ بدر میں انہوں نے اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو قتل کرنے میں تامل نہیں کیا جب کہ انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف محاذ آرائی کی۔

۴۹؎ یعنی جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے سچی وفاداری کا رویہ اختیار کیا تو نہایت نازک مواقع پر ان کو تائیدِ غیبی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایسی اسپرٹ پیدا کی کہ کسی کو خاطر میں لائے بغیر اللہ کے دشمنوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ جہاد کی اس اسپرٹ کو ''رُوحٍ مِنْہُ'' (اپنی طرف سے روح) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۵۰؎ جن سے اللہ راضی ہوا انہوں نے سب کچھ پایا۔ ان کے لئے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی۔ جنت اللہ کی رضا ہی کا مظہر ہے۔ اور وہ اللہ سے راضی ہوئے کہ اس نے ان کو جنت کی راہ دکھائی۔

۵۱؎ آیت ۱۹ میں شیطان کی پارٹی کا ذکر تھا یہاں اس کے بالمقابل اللہ کی پارٹی کا ذکر ہوا ہے۔ جو بامراد ہونے والی ہے۔

سورۂ الحشر

۵۹۔ اَلْحُشْر

نام دوسری آیت میں یہودی قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کی صورت میں ان کے پہلے حشر کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'الحشر' ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور ۴ھ میں نازل ہوئی۔

مرکزی مضمون اللہ اوراس کے رسول کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والوں کو بنی نضیر کے رسوا کن انجام سے عبرت دلانا ہے۔اور اہلِ ایمان کوان مسائل میں جو بنی نضیر سے جنگ کے تعلق سے پیش آئے تھے ہدایت دینا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تمہیدی آیت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔

آیت ۲ تا ۴ میں اہلِ کتاب کے ایک کافر گروہ بنی نضیر کا، جو اللہ اوراس کے رسول کی مخالفت پر اتر آیا تھا عبرت ناک انجام بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۵ تا ۱۰ میں پیش آمدہ مسائل میں اہلِ ایمان کو ہدایات دی گئی ہیں۔

آیت ۱۱ تا ۱۷ میں منافقین کے رویہ پر گرفت کی گئی ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہود سے ساز باز کررہے تھے۔

آیت ۱۸ تا ۲۴ سورہ کے خاتمہ کی آیات ہیں، جن میں مؤثر نصیحت اور خشیتِ الٰہی پیدا کرنے والی باتیں بیان ہوئی ہیں۔

سُوْرَةُ الْحَشْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٥٩۔ سُوْرَۃُ الْحَشْرِ

آیات: ٢٤

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

[١] اللہ کی تسبیح کرتی ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ١۔ اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ ٢۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

[٢] وہی ہے جس نے ان لوگوں کو جو اہلِ کتاب میں سے کافر ہوئے ان کے گھروں سے پہلے حشر کے لئے نکال باہر کیا ٣۔ تمہیں گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے ٤۔ اور وہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کی پکڑ) سے بچالیں گے ٥۔ مگر اللہ کی پکڑ ان پر اس رخ سے ہوئی جدھر ان کو گمان بھی نہیں ہوا تھا۔ اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ٦۔ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو اجاڑ رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی ٧۔ تو عبرت حاصل کرو اے آنکھیں رکھنے والو! ٨۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③

[٣] اگر اللہ نے ان کیلئے جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا میں ان کو عذاب دیتا ٩۔ اور آخرت میں ان کیلئے دوزخ کا عذاب ہے۔ ١٠۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④

[٤] یہ اسلئے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور جو اللہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ١١ تو اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

[٥] کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو یہ اللہ کے حکم سے ہوا ١٢۔ اور (اس نے یہ حکم اس لئے دیا) تاکہ وہ فاسقوں کو رُسوا کرے۔

وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥

[٦] اور اللہ نے جو مال ان کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کو دلوایا ١٣۔ تو اس پر تم نے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ ١٤۔ بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے تسلط عطاء فرماتا ہے ١٥۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۔ اس کی تشریح سورۂ حدید نوٹ ۱۔ میں گزر چکی۔

۲۔ چنانچہ غزوہ بنی نضیر میں اللہ کے غلبہ اور اس کی حکیمانہ تدبیر کا ظہور ہوا۔

۳۔ مراد بنی نضیر ہیں جن کا مدینہ سے اخراج عمل میں آیا۔ یہ یہودی قبیلہ تھا جو مدینہ کے مضافات میں آباد تھا۔ نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ کے اور اس قبیلہ کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا تھا مگر وہ اس کی کھلی خلاف ورزی کرتے رہے۔ ان کے لیڈر کعب بن اشرف نے مکہ جا کر مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا، نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا رہا اور مسلمان خواتین کے خلاف شرمناک پروپیگنڈہ کرتا رہا، بالآخر نبی ﷺ کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد بھی یہ لوگ اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہیں آئے اور نبی ﷺ کو اپنے ہاں بلا کر دیوار کے اوپر سے بڑا پتھر آپ پر گرانے اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کی تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے بروقت اس سے خبردار کر دیا اور آپ بال بال بچ گئے۔ وہاں سے مدینہ واپس آ کر حکم دیا کہ بنی نضیر بیس دن کے اندر مدینہ سے نکل جائیں مگر انہوں نے اس سے انکار کیا۔ بالآخر آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ ان کا محاصرہ ((گھیراؤ) کر لیا۔ وہ مرعوب ہو کر لڑائی کا حوصلہ کھو بیٹھے اور اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینہ سے نکل جائیں گے البتہ جس قدر سامان وہ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہوں انہیں لے جانے کی اجازت دی جائے۔ نبی ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دی چنانچہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو توڑ پھوڑ ڈالا تا کہ دروازے وغیرہ اپنے ساتھ لے جا سکیں۔ بنی نضیر کے اخراج کا یہ واقعہ ربیع الاول ۰۴ھ میں پیش آیا۔

آیت میں ان کے اس اخراج کو اول حشر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حشر کے معنی اکھٹا کرنے کے ہیں۔ چونکہ ان کو مدینہ سے نکال کر اپنے کیفر کردار کو پہنچنے کے لئے اکٹھا کیا گیا تھا اس لئے اسے حشر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اول حشر کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ان کا دوسرا حشر بھی ہونے والا ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا۔

۴۔ یعنی بظاہر حالات کے رہتے تم سوچ نہیں سکتے تھے کہ وہ اتنی آسانی سے مدینہ چھوڑ کر نکل جائیں گے۔

۵۔ یعنی ان کا اعتماد اسباب پر تھا اور وہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے مضبوط قلعے ان کی مدافعت کے لئے کافی ہوں گے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر یہ ہوئی کہ ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ لڑائی کا حوصلہ نہ کر سکے، وہ نبی ﷺ کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس دلیرانہ اقدام کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے اس لئے مقابلہ کی ہمت نہ کر سکے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کی غیر معمولی مدد اس طرح بھی فرماتا کہ ان کے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال کر ان کے حوصلے پست کر دیتا ہے بالخصوص ایسے موقع پر جبکہ دشمن طاقتور ہو اور اہل ایمان کے پاس اسباب کی کمی ہو مگر وہ اس کے باوجود حکم کی تعمیل میں سرفروشانہ جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہوں۔

۷۔ وہ اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو اس لئے اجاڑ رہے تھے کہ اپنے گھروں کے دروازے وغیرہ نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں نیز اس لئے بھی کہ مسلمانوں کو ان کے گھر اچھی حالت میں نہ ملیں۔ رہا مسلمانوں کا ان کے گھروں کو مسمار کرنا تو وہ جنگی ضرورت کے لئے تھا۔

۸۔ بنی نضیر کے اس انجام سے ہر آنکھیں رکھنے والے شخص کو عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ وہ اپنی قوت اور اپنی شان وشوکت کے باجود رسول کے مقابلہ میں ٹک نہ سکے اور انہیں ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ نصرتِ الٰہی رسول کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا جو گروہ بھی رسول سے ٹکر لینے کی کوشش کرتا ہے منہ کی کھاتا ہے۔

۹۔ یعنی اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا جائے جس میں ان کے لئے یہ موقع باقی ہے کہ اس واقعہ سے سبق حاصل کریں

اور اللہ کے حضور توبہ کر کے اپنی اصلاح کریں۔ ورنہ اللہ انہیں ایسی سزا دے سکتا تھا کہ ان کا خاتمہ ہو جاتا جس کی ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وہ قتل کر دئے جاتے جیسا کہ بعد میں بنی قریظہ کے معاملہ میں ہوا کہ ان کے سب مرد قتل کر دئے گئے۔

واضح رہے کہ بنی نضیر اہلِ کتاب تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور پھر غداری کی اس لئے ان کو اس غداری کی سزا یہ دی گئی کہ انہیں جلاوطن کر دیا گیا تا کہ مدینہ جو اسلام کا مرکز تھا ان کی سازشوں سے محفوظ رہے۔ جزیہ لینے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ عام اہلِ کتاب کے بارے میں ہے اور یہ حکم بعد میں نازل ہوا جو سورہ توبہ میں ہے۔

۱۰۔ یعنی آخرت میں تو ان کو اپنے کفر کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جانا ہی ہے۔

۱۱۔ اللہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا مطلب اسلام دشمنی میں اٹھ کھڑے ہونا ہے۔ کیونکہ اسلام اللہ کا نازل کردہ دین ہے جو تمام انسانوں کے لئے اس کا فرمان ہے۔ اس فرمان کے خلاف اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہونا اللہ کی مخالفت میں کھڑا ہونا ہے۔

۱۲۔ بنی نضیر کے باغ میں کھجور کے جو درخت تھے ان میں سے کچھ درختوں کو جنگی ضرورت کے تحت مسلمانوں نے کاٹ ڈالا اور کچھ درختوں کو باقی رہنے دیا۔ یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور آپ کی ہدایت پر ہوا اس لئے یہ کام اللہ ہی کے حکم سے انجام پایا تھا۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اس تخریبی کام کے سلسلہ میں جو جنگی مصالح کے تحت کیا گیا کوئی کھٹک دلوں میں محسوس کی جائے۔

موجودہ زمانہ میں تو بہت بڑے پیمانہ پر دشمن کے ٹھکانوں پر بمباری کرنا پڑتی ہے، اس کے ہوائی جہاز گرانا پڑتے ہیں اور اس کی سپلائی لائن کو کاٹ دینا پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس آیت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ جہاد کے مقاصد کے لئے یہ سب کاروائیاں کی جاسکتی ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو جہاد ہی معطل ہو کر رہ جائے گا اور دشمن غالب آجائے گا۔

۱۳۔ اس مال کو اصطلاحاً 'فَیْء' کہتے ہیں جس کے معنی لوٹانے کے ہیں اور جس کا مطلب یہ ہے کہ مال کافروں کے قبضے سے نکال کر مسلمانوں کو منتقل کر دیا گیا۔

۱۴۔ بنی نضیر کا معرکہ بغیر قتال کے سر ہوا تھا اس میں مسلمانوں کو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں سے کام نہیں لینا پڑا بلکہ مدینہ سے بہت قریب ہونے کی وجہ سے پیدل چل کر آئے تھے اس لئے ان کا جو مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا اس کی نوعیت مال غنیمت سے مختلف تھی۔ مالِ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو لڑ کر دشمن کے قبضہ سے حاصل کیا گیا ہو اور جس میں مسلمان مجاہدین کو اپنے گھوڑے اونٹ وغیرہ استعمال کرنا پڑے ہوں۔ مالِ غنیمت کا ۵/۴ حصہ جیسا کہ سورہ انفال آیت ۴۱ میں ارشاد ہوا ہے سپاہیوں میں تقسیم کرنے کے لئے ہے۔ لیکن مالِ فئے سپاہیوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ اس کا مصرف آگے کی آیت میں بیان ہوا ہے۔

۱۵۔ یعنی اللہ کی خصوصی نصرت سے رسولوں کو اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا رہا ہے اور اس موقع پر بھی اس کی خصوصی نصرت ہی کا ظہور ہوا ہے۔ یہ نصرت رعب کی شکل میں ظاہر ہوئی جو بنی نضیر کے دلوں میں ڈال دیا گیا اور جس کے نتیجہ میں قتال کی نوبت نہیں آئی۔

تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے ان بھائیوں سے
جو اہلِ کتاب میں سے کافر ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں نکالا
گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملہ
میں ہم ہرگز کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم لوگوں سے
جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ مگر اللہ گواہی
دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ (القرآن)

مَآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْ أَهْلِ ٱلْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ
وَلِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ كَىْ لَا
يَكُونَ دُولَةًۢ بَيْنَ ٱلْأَغْنِيَآءِ مِنكُمْ ۚ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَ
مَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٧﴾

٧ جو کچھ اللہ بستیوں والوں کی طرف سے اپنے رسول کو دلوائے ١٦؎ وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے ١٧؎۔ تاکہ یہ (مال) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش کرتا نہ رہے ١٨؎۔ اور رسول جو تمہیں دے اس کو لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ ١٩؎۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ ٱلْمُهَٰجِرِينَ ٱلَّذِينَ أُخْرِجُوا۟ مِن دِيَٰرِهِمْ وَأَمْوَٰلِهِمْ
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنًا
وَيَنصُرُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلصَّٰدِقُونَ ﴿٨﴾

٨ یہ (مال) ان محتاج مہاجرین کیلئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مال سے نکالے گئے ہیں ٢٠؎۔ جو اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ راست باز ہیں۔ ٢١؎

وَٱلَّذِينَ تَبَوَّءُو ٱلدَّارَ وَٱلْإِيمَٰنَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ
إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِى صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا۟ وَيُؤْثِرُونَ
عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ
فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾

٩ اور جو لوگ ان سے پہلے ہی (مدینہ کو) ٹھکانا بنائے ہوئے اور ایمان لائے ہوئے تھے وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دیا جائے اس کی کوئی حاجت وہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور وہ ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوں ٢٢؎۔ اور جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔ ٢٣؎

وَٱلَّذِينَ جَآءُو مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا ٱغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَٰنِنَا
ٱلَّذِينَ سَبَقُونَا بِٱلْإِيمَٰنِ وَلَا تَجْعَلْ فِى قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ
ءَامَنُوا۟ رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠﴾

١٠ اور جو لوگ ان کے بعد آئے ٢٤؎ وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لئے کوئی کینہ نہ رکھ ٢٥؎۔ اے ہمارے رب تو بڑا شفیق اور رحیم ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ نَافَقُوا۟ يَقُولُونَ لِإِخْوَٰنِهِمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟
مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ
فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَٱللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ
لَكَٰذِبُونَ ﴿١١﴾

١١ تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا ٢٦؎، جو اپنے ان بھائیوں سے جو اہلِ کتاب میں سے کافر ہوئے کہتے ہیں ٢٧؎، کہ اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم ہرگز کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم لوگوں سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔

۱۶؎ یعنی جو بستیاں بھی فتح ہوں اور ان کے اموال ''فئے'' کے طور پر تمہارے قبضہ میں آئیں تو ان کا حکم وہ ہے جو آگے بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۷؎ مالِ فئے کا پہلا مصرف اللہ کیلئے خرچ کرنا ہے اور اللہ کے لئے خرچ کرنے سے مراد اس کے دین کی اشاعت اور جہاد کے لئے خرچ کرنا ہے۔

دوسرا مصرف یہ ہے کہ رسول کا اس میں حق ہے تا کہ وہ اپنی جن ضرورتوں یا جن مصالح پر خرچ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منصب رسالت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے نہ معاشی دوڑ دھوپ کر سکتے تھے اور نہ آپ نے اپنے اور اپنے اہل خاندان کے لئے زکوٰۃ کو جائز رکھا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مالِ فئے میں آپ کا حصہ مقرر کیا۔ یہ حصہ منصب کی بنا پر تھا اس لئے آپ کے بعد یہ باقی نہ رہا۔ یہ بھی واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام وراثت نہیں چھوڑتے ان کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔ (بخاری کتاب الخمس)

''ہمارا وارث کوئی نہیں۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔''

تیسرا مصرف قرابت دار ہیں اور مراد رسول کے قرابت دار ہیں۔ یہ بنو ہاشم اور بنو المطلب ہیں جن پر آپ نے زکوٰۃ ممنوع قرار دی تھی۔ ان خاندان والوں نے آپ کا ساتھ دیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مالِ فئے کے ذریعہ ان کی فیض رسانی کا سامان کیا۔

چوتھا، پانچواں اور چھٹا مصرف یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرنا ہے اور یہ خرچ ان کے فقراء اور ان کی احتیاج کو دور کرنے کے لئے ہے۔ یہ نادار اور غریب طبقہ ہے جو ہر طرح سے مدد کا مستحق ہے اس لئے مالِ فئے میں ان کا حصہ رکھا گیا۔

۱۸؎ یہ بہت بڑی اصولی بات ہے جو اس موقع پر ارشاد ہوئی ہے اور وہ یہ کہ دولت کا بہاؤ مال داروں کی طرف ہو کر نہ رہ جائے۔ اسلامی معاشیات (Islamic Economy) کا رخ دولت کے پھیلاؤ کی طرف ہے نہ کہ اس کے ارتکاز (Concentration) کی طرف۔ زکوٰۃ، صدقات کفاروں کی ادائیگی اور اموالِ غنیمت اور اموالِ فئے میں مفلس طبقہ کو حصہ دار بنا کر اس کی پوزیشن کو بہتر بنانے کا سامان کیا ہے نیز سود کو حرام قرار دے کر غریبوں کا خون چوسنے سے مالداروں کو روکا ہے۔ علاوہ ازیں وراثت کی تقسیم کے ذریعہ دولت کے پھیلاؤ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری ہدایت کے ذریعہ اسلام نے ایک ایسے معاشی نظام (Economic System) کی تشکیل کی ہے جس میں اعتدال بھی ہے، سوسائٹی کے مختلف طبقات کے ساتھ انصاف بھی اور کمال درجہ کا توازن بھی۔

اس نے ان طور طریقوں کا سد باب کیا ہے جن سے غریب سے غریب تر اور امیر سے امیر تر ہوتے ہیں۔ اس کا معاشی نظام نہ سرمایا دارنہ ہے اور نہ کسی کی حق تلفی پر مبنی۔ نہ اس میں یک رخا پن ہے اور نہ انتہا پسندی بلکہ وہ حق وعدل کا کامل نمونہ ہے۔

۱۹؎ یہ ایک اور اصولی ہدایت ہے جو اس موقع پر دی گئی۔ سلسلۂ کلام کے لحاظ سے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مالِ فئے میں سے رسول جس کو جو کچھ دے اس کو وہ قبول کرے اور جس کو نہ دے وہ رک جائے۔ نہ مطالبہ کرے اور نہ اعتراض۔ لیکن اس فقرہ کا مفہوم اس حد تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے وسیع تر مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رسول جو حکم دے اس کی تعمیل کرو اور جس چیز سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔ حدیث میں بھی اس بات کی صراحت ہے:

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ۔ (بخاری۔ مسلم)

''جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک تمہاری استطاعت ہو کرو اور جس بات سے روک دوں اس سے اجتناب کرو۔''

اب یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور کن باتوں سے روکا ہے آپ کی سنت ہی سے معلوم کی جا سکتی ہے اور

آپ کی سنت کو جاننے کا ذریعہ احادیثِ صحیحہ ہیں اس لئے احادیثِ صحیحہ کی ضرورت، اہمیت اور اس کے حجت ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا ورنہ قرآن کے اس حکم کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ حجت احادیثِ صحیحہ ہی ہیں نہ کہ ضعیف اور موضوع حدیثیں اور الم غلم روایتیں۔ مگر اس امت کے اندر بے سروپا روایتوں نے جڑ پکڑ لی ہے جس نے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہ ہرگز اطاعتِ رسول نہیں ہے کہ ہر قسم کی روایتوں کو جو رسول کی طرف منسوب کر دی گئی ہوں قبول کر لیا جائے خواہ وہ قرآن اور سنتِ رسول کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسی روایتوں کا انکار اطاعتِ رسول ہے نہ کہ اقرار۔

۲۰۔ یعنی مفلس مہاجرین (جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے ہیں) اس بات کے خاص طور سے مستحق ہیں کہ مالِ فئے میں سے ان پر خرچ کیا جائے کیونکہ ہجرت پر مجبور ہو جانے کی وجہ سے انہیں اپنے گھر بار اور اپنے اموال چھوڑ دینا پڑے اور خالی ہاتھ وہ مدینہ منتقل ہو گئے۔

۲۱۔ یعنی یہ مہاجر محض تارکینِ وطن نہیں ہیں بلکہ اعلیٰ کردار کے حامل ہیں۔ ان کے پیشِ نظر صرف اللہ کی رضا جوئی ہے۔ اللہ کے دین اور اس کے رسول کی نصرت میں وہ پیش پیش رہتے ہیں اور راست بازی ان کا شعار ہے۔ جب انہوں نے دین کے لئے یہ قربانیاں دی ہیں تو وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ اللہ کے اس غیر معمولی عطیہ سے جو اموال فئے کی صورت میں اسلامی حکومت کو حاصل ہوا ہے ان کی بھرپور مدد کی جائے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے بنی نضیر سے حاصل شدہ اموالِ فئے کا بڑا حصہ مہاجرین میں تقسیم کیا۔

۲۲۔ یہ مدینہ کے انصار کی قدر افزائی ہے کہ مہاجرین کے مدینہ آجانے سے پہلے ہی وہ ایمان لا کر اس شہر کو اپنا مستقر بنائے ہوئے تھے جو بعد میں دارالہجرت قرار پایا۔ انہوں نے ان مہاجرین کو اپنے اوپر بار محسوس نہیں کیا بلکہ انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے دل میں جگہ دی۔ بنی نضیر کے اموالِ فئے میں سے انصار کو چھوڑ کر مہاجرین کو جو کچھ دیا گیا اس پر انہوں نے نہ اپنے دل میں تنگی محسوس کی اور نہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر لایا، جب کہ اموالِ فئے میں ان کو بھی شریک کیا جاسکتا تھا لیکن انہوں نے اپنے اوپر ان مفلس مہاجرین کو ترجیح دی اور یہ ان کا بہت بڑا ایثار ہے۔

۲۳۔ دل کی تنگی (شحِ نفس) پوری عملی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے اور انسان کو ہلاکت کی راہ پر ڈال دیتی ہے اس لئے دل کی تنگی سے بچنے کی جس کو توفیق ملی اس کو گویا کامیابی کی ضمانت مل گئی۔

۲۴۔ یعنی جو لوگ مہاجرین اور انصار کے بعد آئے ان میں اس سورہ کے نزول کے وقت سے لے کر قیامت تک کے اہلِ ایمان شامل ہیں۔ ان کا ذکر یہاں جس طور سے ہوا ہے اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اموالِ فئے کا فائدہ ان کو بھی پہنچنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جب عراق اور شام فتح کئے تو ان کی زمینوں کو فاتحین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے ان کو تمام مسلمانوں کے لئے فئے قرار دیا تاکہ آنے والی نسلیں بھی اس سے مستفید ہوں۔ اس مقصد کے پیشِ نظر آپ نے وہ زمینیں اُن باشندوں کے قبضے میں رہنے دیں۔ اور ان پر خراج عائد کیا۔ خراج کی اس آمدنی کا بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس سے سرحدوں کی حفاظت کے انتظام میں سہولت ہوگئی اور جہاد کے لئے مالیات فراہم ہوگئیں۔ (تفصیلات کے لئے دیکھئے کتاب الخراج۔ ابو یوسف۔ باب ۳)

۲۵۔ یہ ترغیب ہے اس بات کی کہ بعد کے آنے والوں کو اپنے ان اسلاف کے بارے میں دعا گو ہونا چاہئے کیونکہ یہ ان ہی کی بیش بہا قربانیاں تھیں جو بتوفیقِ الٰہی اسلام کی سربلندی کا باعث ہوئیں اور ان ہی کی جدوجہد تھی جس کے نتیجہ میں دین کی اشاعت کا دائرہ نہایت وسیع ہوا اور آئندہ نسلوں تک پہنچا۔

یہ تعلیم ہے اس بات کی کہ مسلمانوں کو صحابہ کرام کا قدرداں ہونا چاہئے اور ان کے بارے میں کوئی کینہ دل میں نہیں رکھنا چاہئے، اگرچہ ان کی کوئی

لغزش علم میں آئی ہو ۔ اس میں رہنمائی ہے صحابہ کے مشاجرات (اختلافات ونزاعات) کے بارے میں جو بعد کے دور میں پیدا ہوئے کہ ان کو بُرا بھلا کہنے سے احتراز کرنا چاہئے ۔ مگر مسلمانوں کا ایک فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا عقیدہ رکھتا ہے خلفائے راشدین کو خلافت کا غاصب قرار دے کر صحابہ کرام کو بُرا بھلا کہتا ہے اور بُرے کلمات سے انہیں یاد کرتا ہے یعنی قرآن نے جن کے حق میں دعا کرنے کے لئے کہا تھا اس فرقے کے لوگ ان کو لعنت ملامت کرتے ہیں ۔ تعصب نے انہیں ایسا اندھا کر دیا ہے کہ قرآن کی واضح آیتوں سے بھی انہیں روشنی نہیں ملتی !

۲۶ ۔ مدینہ کے منافقین جن کے یہود سے دوستانہ تعلقات چلے آ رہے تھے در پردہ ان کی پشت پناہی کر رہے تھے اس لئے اس موقع پر ان کا حال بیان کر کے مسلمانوں کو اس سے باخبر کیا گیا اور انہیں اطمینان دلایا گیا کہ یہ بزدل لوگ ہیں تم سے لڑنے کی کبھی جرأت نہیں کریں گے ۔

۲۷ ۔ مراد مدینہ کے اطراف کے یہود ہیں ، بنی نضیر ، بنی قریظہ وغیرہ ۔ ان کو منافقین کے بھائی اس لئے کہا گیا کہ یہود اور منافقین دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے ۔

لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ
نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۲﴾

۱۲ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے ۲۸ ، اور اگر مدد کریں گے بھی تو پیٹھ پھیر جائیں گے۔ پھر ان کی مدد ۲۹ نہیں کی جائے گی۔

لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۳﴾

۱۳ تمہارا خوف ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ ۳۰

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ
جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ
شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾

۱۴ یہ کبھی اکٹھے ہو کر تم سے نہیں لڑیں گے بلکہ قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کے پیچھے سے لڑیں گے ۳۱۔ ان کی لڑائی آپس میں بڑی سخت ہے۔ تم ان کو متحد خیال کرتے ہو مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں ۳۲۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۳۳

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

۱۵ ان کا حال وہی ہوگا جو ان لوگوں کا ہوا جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے کئے کا مزا چکھ چکے ہیں ۳۴۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ۳۵

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي
بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾

۱۶ ان کی مثال شیطان کی سی ہے ۳۶ ، جو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو کہتا ہے میں تجھ سے بری ہوں۔ مجھے اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ ۳۷

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ
جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۱۷﴾

۱۷ تو دونوں کا انجام یہ ہونا ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ۳۸۔ اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾

۱۸ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو ۳۹ اور ہر شخص کو چاہیئے کہ دیکھ لے اس نے کل کیلئے کیا آگے بھیجا ہے ۴۰۔ اللہ سے ڈرتے رہو ۴۱۔ یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ ۴۲

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ
هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۹﴾

۱۹ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو اپنے نفس کے بھلاوے میں ڈال دیا ۴۳۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔ ۴۴

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ
الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾

۲۰ دوزخ میں جانے والے اور جنت میں جانے والے یکساں نہیں ہو سکتے۔ جنت میں جانے والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ ۴۵

۲۸۔ بنی نضیر کی تو انہوں نے کوئی مدد نہیں کی ، رہے بنی قریظہ تو قرآن نے پیشین گوئی کی کہ یہ ان کی مدد کے لئے بھی نہیں آئیں گے چنانچہ بعد میں جب بنی قریظہ سے مسلمانوں کو سابقہ پیش آیا تو یہ پیشین گوئی بھی سچی ثابت ہوئی۔

۲۹۔ یعنی یہود کی۔

۳۰۔ یہ مدینہ کے یہود کا حال بیان ہوا ہے کہ وہ اللہ سے زیادہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کو بھلا بیٹھے ہیں اور مسلمان چونکہ سرفروشی کے لئے آمادہ رہتے ہیں اس لئے ان کے مقابلہ میں آنے سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ اصل خوف اللہ ہی کا ہونا چاہئیے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے لیکن ناسمجھ لوگ اتنی بڑی حقیقت کو بھی سمجھ نہیں پاتے۔

۳۱۔ چنانچہ یہ یہود قبائل مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے کبھی سامنے نہیں آئے۔ میدان میں آکر لڑنے کی انہیں کبھی ہمت نہیں ہوئی۔ بنی نضیر قلعہ میں محصور ہو کر رہ گئے اور بعد میں جب بنی قریظہ اور خیبر کے یہود پر مسلمان حملہ آور ہوئے تو انہوں نے بھی میدان میں نکل کر جنگ نہیں کی بلکہ اپنے قلعوں ہی میں بند ہو کر مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوشش کی جس میں وہ بری طرح ناکام رہے اور قرآن کے بیان کی صداقت بالکل نمایاں ہو گئی۔

۳۲۔ یعنی بظاہر یہود متحد نظر آتے ہیں مگر آپس کی مخاصمت کی وجہ سے ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ انہوں نے جب کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال دیا اور عقائد و اعمال میں نئی نئی باتیں (بدعات) نکالیں تو وہ فرقہ بندی کا شکار ہو گئے اور اس فرقہ بندی کے نتیجہ میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے جذبات ابھرے جس نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا اور ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

۳۳۔ یعنی عقل سے کام لینے اور سوجھ بوجھ کا ثبوت دینے کے بجائے انہوں نے اپنے کو جذبات اور خواہشات کا تابع بنالیا اور جب کوئی گروہ دین کے معاملہ میں سوجھ بوجھ کا ثبوت نہیں دیتا تو خواہشات کا پیرو بن کر اس کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ پھر اختلافات اس شدت سے ابھرتے ہیں کہ ملت کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے۔

۳۴۔ یعنی یہود کا حشر بھی وہی ہوگا جو مشرکین مکہ کا ہوا۔ اشارہ جنگِ بدر کی طرف ہے جس میں مشرکین کے کتنے ہی لیڈر قتل کر دیئے گئے اور ان کو بری طرح شکست ہوئی۔ اور یہ واقعہ ۲ھ میں پیش آیا تھا جو یہود کے لئے قریب میں وقوع ہونے والا واقعہ تھا۔

۳۵۔ یعنی آخرت کا دردناک عذاب۔

۳۶۔ مراد منافقین ہیں جو یہود کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اکسا رہے تھے۔

۳۷۔ یعنی شیطان انسان کو کفر پر اکساتا ہے لیکن اس کے کفر کرنے کے بعد اس کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا چنانچہ قیامت کے دن شیطان اپنے بری الذمہ ہونے کا اظہار کرے گا اور کہے گا کہ میں نے کفر پر مجبور نہیں کیا تھا۔

رہا شیطان کا یہ کہنا کہ مجھے اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے تو یہ بات وہ اس عذاب کی زد سے بچنے کے لئے کہتا ہے جس کی لپیٹ میں کفر کرنے والا آتا ہے۔ وہ اگر واقعی اللہ سے ڈرتا تو شیطان کیوں بنتا۔ یہ بھی واضح رہے کہ شیطان کی یہ باتیں اشاروں میں یعنی وسوسہ اندازی کی شکل میں ہوتی ہیں۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انفال نوٹ ۳۷۔

۳۸۔ یعنی شیطان بھی جہنم رسید ہوگا اور اس کے اشاروں پر کفر کرنے والا انسان بھی۔ اسی طرح یہ منافقین بھی جہنم میں جائیں گے اور ان کے اشاروں پر کفر کرنے والے یہود بھی۔

۳۹ ۔ اوپر منافقین کے رویہ پر گرفت کی گئی تھی اب خطاب کا رخ اہلِ ایمان کی طرف ہو رہا ہے ۔ انہیں تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی جا رہی ہے اور ساتھ ہی تقویٰ کی پرورش کا سامان بھی کیا جا رہا ہے ۔ یہ نسخہ شفاء منافقت کی بیماری کو بھی دور کرنے والا ہے اور اہل ایمان کے کردار کو بھی مضبوط بنانے والا ہے ۔

۴۰ ۔ قیامت کے دن کو کل سے تعبیر فرمایا ہے ۔ گو یا دنیا کی زندگی بس آج ہے اور قیامت کل ہی نمودار ہونے والی ہے ۔ جو لوگ قیامت کو دور خیال کر کے اس سے غفلت برتتے ہیں وہ سخت دھوکہ میں ہیں ۔ جب قیامت کا ظہور ہوگا تو ہر شخص محسوس کرے گا کہ وہ بہت قریب تھی اور بہت جلد رونما ہوگئی ۔

قیامت کے برپا ہوتے ہی حساب وکتاب کا معاملہ پیش آنے والا ہے اس لئے ہر شخص کو آج ہی اپنا احتساب کر لینا چاہیئے کہ اس نے آخرت کے لئے کیا سامان کیا ہے ۔ اسے اپنے مستقبل کی زندگی (اُخروی زندگی) کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے اگر اس نے آخرت کی فکر نہیں کی اور دنیا کے مشاغل ہی میں منہمک ہو کر رہ گیا تو اس کا مستقبل نہایت تاریک ہوگا اور اس وقت اسے احساس ہوگا کہ وہ دنیا سے گناہوں کے پارسل اپنے لئے بھیجتا رہا ۔

۴۱ ۔ ایک ہی آیت میں تقویٰ (خدا خوفی) اختیار کرنے کی دو مرتبہ تاکید کی گئی ہے تا کہ تقویٰ پر جو مشکل سے پیدا ہوتا ہے نگاہیں جم جائیں ۔

تقویٰ کے معنی اللہ سے ڈرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کے ہیں ۔ اس میں اللہ کی عظمت کا تصور بھی ہے اور وہ احساس بھی جو گناہوں سے باز رکھتا اور فرائض کی پابندی پر آمادہ کرتا ہے ۔

۴۲ ۔ تقویٰ کی پرورش اس احساس سے ہوتی ہے کہ اللہ ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ۔

۴۳ ۔ اللہ کو بھول جانے کا مطلب اس سے غافل ہو جانا ، اس کے احکام کی پروا نہ کرنا اور اس کے حضور پیشی سے بے فکر ہو جانا ہے ۔ خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے ۔ اور خود فراموشی یہ ہے کہ آدمی اپنی اس حیثیت کو بھول جائے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے ، وہ اپنی من مانی کرنے کے لئے آزاد نہیں ہے ، اپنے مقصدِ وجود کو نظر انداز کر دے اور اپنے بُرے انجام کی طرف سے غافل ہو جائے ۔

یہود کا یہی حال تھا جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کر کے اہلِ ایمان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کی طرح نہ بن جائیں ۔ اس تنبیہ اور تاکید کے باوجود آج مسلمانوں کی بڑی تعداد یہود ہی کے نقشِ قدم پر ہے ۔ وہ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن وہ اللہ کو ایسا بھلا بیٹھے ہیں کہ ان کی زندگیاں خدا خوفی سے خالی ہوگئی ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ نماز کے بھی تارک ہو گئے ہیں ۔

۴۴ ۔ قرآن ایمان کے ایسے دعویداروں کو جو اللہ کو بھول بیٹھے ہوں فاسق قرار دیتا ہے اور فاسقوں کا انجام معلوم ہی ہے ۔

۴۵ ۔ جو لوگ جنت اور جہنم کو خاطر میں لائے بغیر زندگی گذارتے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی زندگیاں بڑی کامیاب ہیں اور مذہب کے تنگ دائرے سے نکلنے کے بعد ان پر ترقی کی راہیں کشادہ ہوگئی ہیں ، حالانکہ وہ اس امتحانی زندگی میں ناکام (فیل) ہونے والے لوگ ہیں جن پر حقیقی ترقی کی ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور جن کا انجام جہنم میں سزا بھگتنے کے لئے پڑے رہنا ہے ۔ بخلاف اس کے جو لوگ جنت کو منزلِ مقصود قرار دے کر اپنے کو اس کا اہل بناتے ہیں وہ اس امتحانی زندگی سے کامیاب ہو کر نکلتے ہیں اور آخرت میں وہ جنت میں داخل ہو کر بامراد فائز المرام ہونے والے لوگ ہیں ۔

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم
دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے پست ہو رہا ہے
اور پھٹ رہا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے
بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔ (القرآن)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے پست ہو رہا ہے اور پھٹ رہا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور کریں۔ ۴۶؎

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾

۲۲ وہ اللہ ہی ہے ۴۷؎ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۴۸؎۔ غائب اور حاضر کا جاننے والا ۴۹؎۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ ۵۰؎

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ۵۱؎۔ وہ بادشاہ ہے ۵۲؎۔ نہایت مقدس ۵۳؎، سراسر سلامتی ۵۴؎، امن دینے والا ۵۵؎، حفاظت کرنے والا ۵۶؎، غالب ۵۷؎، زبردست ۵۸؎، کبریائی والا ۵۹؎۔ پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جن کو لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ۶۰؎

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ
يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

۲۴ وہ اللہ ہی ہے پیدا کرنے والا ۶۱؎۔ موجد ۶۲؎، صورت گری کرنے والا ۶۳؎۔ اس کے لئے بہترین نام ہیں ۶۴؎۔ آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں ۶۵؎۔ اور وہ غالب ہے حکمت والا۔ ۶۶؎

۴۶؎ یہ قرآن کی تاثیر کی مثال بیان ہوئی ہے کہ کلامِ الٰہی ہونے کی وجہ سے ایسا مؤثر ہے کہ اگر کسی پہاڑ کو شعور عطا کر کے اس پر نازل کیا جاتا تو خشیتِ الٰہی سے وہ دب جاتا اور پھٹ پڑتا لیکن انسان کی سنگدلی کا حال یہ ہے کہ اس کلام کو سن کر اس کا دل نہیں پسیجتا۔ گویا منکرینِ قرآن کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ یہود کے دل بھی پتھر سے زیادہ سخت ہو گئے تھے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہوا ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً۔ (بقرہ: ۷۴)

''پھر تمہارے دل سخت ہو گئے پتھروں کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔''

اور پتھروں کا اللہ کے خوف سے گرنا بھی ایک حقیقت ہے:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ (بقرہ: ۷۴)

''اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔''

اس موقع پر سورۂ حدید آیت ۱۶ اور اس کی تشریح بھی پیش نظر رہے۔

۴۷؎ یہ سورہ کے خاتمہ کی آیتیں ہیں جن میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ (بہترین نام) جامع طور پر اور حسنِ ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جس سے اللہ کی عظمت کا تصور پیدا ہو جاتا ہے اور دل میں تقویٰ نشوونما پانے لگتا ہے۔ ان آیتوں کی اثر انگیزی ایسی زبردست ہے کہ ان کی تلاوت ہی سے اللہ کی ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور یہ قرآن کے معجزانہ کلام ہونے کا ثبوت ہے۔

لفظ اللہ کی تشریح سورۂ فاتحہ نوٹ ۳؎ میں گزر چکی۔

۴۸؎ یعنی عبادت اللہ کے لئے خاص ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو عبادت کا مستحق ہو اور اس لائق ہو کہ اس کے آگے عبادت کے مراسم ادا کئے جائیں۔

۴۹؎ یعنی جو چیزیں انسان اور دوسری مخلوق سے پوشیدہ ہیں ان کو بھی وہ جانتا ہے اور جو ان پر ظاہر ہیں ان کو بھی۔ اس کو ماضی، حال اور مستقبل سب کا علم ہے اور اس کا علم زماں اور مکاں سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

۵۰؎ رحمٰن و رحیم کے الفاظ کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ فاتحہ نوٹ ۵؎۔

۵۱؎ الٰہ کے اصل معنی معبود کے ہیں اور معبود حقیقۃً وہی ہو سکتا ہے جو قدرت اور اقتدار رکھتا ہو چنانچہ قرآن میں یہ لفظ صاحبِ اقتدار یعنی خدا کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۴۲)

''کہو اگر اس کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ صاحبِ عرش کی طرف راہ ضرور نکال لیتے۔''

ظاہر ہے صاحبِ عرش کی طرف راہ نکالنے کا تعلق اقتدار سے ہے اس لئے الٰہ کے معنی میں یہاں اقتدار کا پہلو ابھرا ہوا ہے اس لئے یہاں ترجمہ میں معبود کے بجائے خدا کا لفظ زیادہ موزوں ہے کیونکہ لفظ خدا سے قدرت اور اقتدار والا ہونے کا تصور قائم ہوتا ہے۔

بعض علماء لفظ خدا کو اللہ کے لئے استعمال کرنے پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس فارسی لفظ کے اصل معنی کچھ اور ہی ہیں لیکن یہ اعتراض کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ یہ لفظ عرصۂ دراز سے اچھے معنی میں استعمال ہو رہا ہے اور علماء اور عوام سب کی زبان پر ہے اور قرآن کے اردو ترجموں میں بھی یہ لفظ بہ کثرت استعمال ہوا ہے اور علامہ فخر الدین رازی نے اپنی کتاب 'لوامع البیّنات' میں جو اسمائے الٰہی پر عربی میں ایک ممتاز اور محققانہ کتاب

ہے اللہ کے لئے لفظ خدا کے استعمال کو جائز کہا ہے۔(دیکھئے لوامع البیّنات ص ۲۱)

۵۲۔ اَلْمَلِکُ یعنی بادشاہ، سلطان۔اللہ انسان کا اور پوری دنیا کا حقیقی بادشاہ ہے اس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے اور وہی شارع (شریعت دینے والا) اور حاکم (Sovereign) ہے۔انسان کا بادشاہ اور حاکم ہونا مجازی معنی میں ہے اور مشروط اور محدود ہے۔جو لوگ اپنی بادشاہت یا حاکمیت (Sovereignty) کو اللہ کی بادشاہت وحاکمیت کے ماتحت ہونے کا تصور نہیں رکھتے اور اس کی شریعت سے آزاد ہو کر قانون سازی کرتے ہیں وہ اللہ کے باغی اور سرکش ہیں اور ان کی حاکمیت کے دعوے بالکل باطل ہیں۔

۵۳۔ اَلْقُدُّوس یعنی ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک نیز اس میں بابرکت ہونے کا مفہوم بھی شامل ہے چنانچہ لسان العرب میں اس کے معنی مبارک کے بھی بیان ہوئے ہیں۔مَلِکُ کے ساتھ قدوسیت کی صفت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ ایسا فرمانروا ہے جو خطا سے پاک ہے اور اس کا کوئی فرمان غلط نہیں ہوسکتا۔

۵۴۔ اَلسَّلَامَ یعنی سراسر سلامتی۔وہ ایسا صاحب سلامت ہے کہ اس پر کبھی کوئی آفت آ نہیں سکتی۔وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔وہی ہے جو اپنے بندوں کو سلامتی بخشتا ہے:

۵۵۔ المؤمن یہاں امن دینے والے کے معنی میں ہے۔وہی ہے جو خوف کو دور کرنے اور امن بخشنے والا ہے۔

۵۶۔ اَلْمُھَیْمِنُ یعنی نگہداشت کرنے والا۔وہی ہے جو اپنے مخلوق کی نگہداشت اور حفاظت کرتا ہے۔

۵۷۔ العَزِیز کے سب سے زیادہ ابھرے ہوئے معنی تو غالب کے ہیں، دوسرے معنی بے مثال کے ہیں تیسرے معنی شدید اور قوی کے ہیں اور چوتھے معنی عزت دینے والے کے ہیں۔(دیکھئے لوامع البینات۔امام رازی ص ۱۴۷ نیز لسان العرب ج ۵ ص ۳۷۵)

اللہ کے غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات پر اس کا غلبہ ایسا ہے کہ کوئی چیز بھی اس کے قابو سے باہر نہیں۔تمام جانداروں کی نکیل اسی کے ہاتھ میں ہے۔اور جس کسی کو بھی اس نے کسی قسم کا اختیار بخشا ہے اسے وہ جب چاہے چھین سکتا ہے۔اس سے بغاوت اور سرکشی کر کے کوئی شخص بھی اس کی گرفت سے اپنے کو بچا نہیں سکتا۔

۵۸۔ اَلْجَبَّار یعنی زبردست، اپنے احکام مخلوق پر بزور نافذ کرنے والا۔اللہ تعالیٰ کی قوت قاھرہ کے آگے مخلوق بے بس ہے۔کسی کی مجال نہیں کہ اس کی مشیت کے خلاف کچھ کر سکے۔مثال کے طور پر انسان ناک سے سانس لینے کے لئے مجبور ہے۔آنکھ سے سانس لینے کا کام نہیں کر سکتا اور نہ کان سے دیکھنے کا کام کر سکتا ہے۔انسان کی یہ بے بسی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس پر ایک زبردست ہستی فرمانروا ہے جس نے اپنے احکام بزور اس پر نافذ کر رکھے ہیں۔اس لئے انسان کو چاہئیے کہ اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے اس کے آگے سرنگوں ہو جائے اور عجز و نیاز کا طریقہ اختیار کرے۔

۵۹۔ اَلْمُتَکَبِّرُ یعنی کبریائی اور عظمت والا۔اس کیلئے بڑائی ہی بڑائی ہے اور مخلوق میں سے کوئی نہیں جس کو بڑائی کا حق پہنچتا ہو اور بڑائی کرنا اس کو زیب دیتا ہو، کیونکہ اپنی ذات میں کوئی بھی بڑا نہیں ہے۔اسی لئے کسی کا تکبر کرنا مذموم (بُرا) ہے اور اللہ ہی ہے جس کے لئے **حقیقۃً** کبریائی ہے۔

۶۰۔ یعنی اللہ کی ذات اور اس کی ان صفات میں کوئی بھی شریک نہیں۔اس لئے وہی خدائے واحد معبودِ حقیقی ہے۔

۶۱۔ اَلْخَالِقُ یعنی عدم سے وجود میں لانے والا۔مادّہ پہلے موجود نہیں تھا اللہ ہی نے اسے وجود میں لایا اور تمام کائنات اسی نے پیدا کی۔اسی کے خالق ہونے کی صفت مشرکین ہند کے اس تصور کی تردید کرتی ہے کہ مادّہ ازلی ہے، یعنی ہمیشہ سے ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا۔قرآن اس عقیدہ کو باطل قرار دیتا ہے۔

۶۲۔ اَلْبَارِئُ کے معنی بھی پیدا کرنے والے کے ہیں لیکن اس میں ایجاد کا پہلو نمایاں ہے یعنی کسی سابقہ مثال کے بغیر پیدا کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی خلاقیت کا کمال یہ ہے کہ اس نے کائنات کی تمام چیزیں اس طرح پیدا کیں کہ کسی چیز کا بھی کوئی نمونہ پہلے سے موجود نہیں تھا۔ ہر چیز اس کی ایجاد اور اختراع ہے۔

بَرَأَ جس کا اسم فاعل باری ہے۔ عربی اور عبرانی دونوں زبانوں میں اس کے معنی پیدا کرنے کے ہیں۔ عبرانی زبان میں جو تورات موجود ہے اس کی پہلی ہی آیت میں بَرَأَ (בָּרָא) کا لفظ آیا ہے۔

''سب سے پہلے خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔'' (پیدائش:۱)

۶۳۔ اَلْمُصَوِّر یعنی صورت گری کرنے والا۔ وہی ہے جو اپنے مخلوق کی صورت گری کرتا ہے اور اس نے انسان کو ایک خاص صورت بخشی ہے:

هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُ كُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ۔ (آل عمران:۶)

''وہی ہے جو رحموں کے اندر جس طرح چاہتا ہے صورت گری کرتا ہے۔''

وَلَقَدْ خَلَقْنَا كُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَا كُمْ۔ (اعراف:۱۱)

''ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورت گری کی۔''

نیز فرمایا:

وَصَوَّرَ كُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَ كُمْ۔ (المؤمن:۶۴)

''اور تمہاری صورت گری کی تو اچھی صورتیں بنائیں۔''

اور اس کی صورت گری کا کمال یہ ہے کہ اربوں انسانوں کی صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں وہ روزانہ پیدا ہونے والے کثیر التعداد بچوں کو نئی نئی شکلیں (Design) دیتا رہتا ہے اس کے پاس صورتوں (Shapes) کی کوئی کمی نہیں۔ وہ ایک ڈیزائن کو اسی طرح دہراتا نہیں بلکہ اس میں فرق کرتا ہے تاکہ افراد ایک دوسرے کو شناخت کر سکیں اور اس کی کمال تخلیق کی نشانی قرار پائے۔

۶۴۔ اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنیٰ یعنی حسن وخوبی کے نام۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۲۷۸، ۲۷۹ اور ۲۸۰۔

اسمائے حسنیٰ کی تفصیل ترمذی کی ایک حدیث میں بیان ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام گنائے گئے ہیں اور عوام میں یہ حدیث مشہور ہے۔ (دیکھئے ترمذی ابواب الدعوات) لیکن یہ حدیث گوناگوں وجوہ سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

اولاً ترمذی نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا ہے:

هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ: یعنی یہ غریب حدیث ہے اور غریب حدیث ضعیف ہی کی ایک قسم ہے:

ثانیاً اس کے ایک راوی ولید بن مسلم ہیں جن کے بارے میں میزان الاعتدال میں متضاد رائیں منقول ہیں۔ بعض محدثین کا کہنا ہے کہ وہ تدلیس کر کے جھوٹے راویوں سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے امام مالک سے دس حدیثیں ایسی بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں (میزان الاعتدال۔ امام ذہبی۔ ج ۴ ص ۳۴۷)

ثالثاً ننانوے ناموں کی جو تفصیل ترمذی کی اس حدیث میں بیان ہوئی ہے اس میں رب، مولیٰ اور نصیر جیسے ناموں کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ناموں کے بیان میں ترتیب کا حسن پایا جاتا ہے مثلاً الحی (اللہ کی صفت کہ وہ زندہ ہے) سے پہلے المحی (وہ زندہ کرنے والا ہے) کا ذکر ہوا ہے۔

مزید یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ناموں کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس میں اور ترمذی کی اس حدیث میں ناموں کا فرق ہے۔غرضیکہ جن حدیثوں میں بھی ناموں کی تفصیل بیان ہوئی ہے وہ ضعیف ہیں اور چونکہ اکثر روایتیں جن کے راوی ابو ہریرہ ہیں ناموں کی تفصیل سے خالی ہیں اوران میں صرف اس قدر بیان ہوا ہے کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں۔اس لئے محدثین کے ایک گروہ نے ناموں کی اس تفصیل کو مُدْرج مانا ہے یعنی اصل حدیث بیان کر کے راوی نے اپنی طرف سے اس کی تشریح کے طور پر یہ نام بیان کئے ہیں۔یہ تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ نہیں ہے۔(اس بحث کے لئے دیکھئے فتح الباری ج ۱۱ص ۱۷۸ تا ۱۹۰ اور تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۹)

۶۵۔ اس کی تشریح سورۂ حدید نوٹ ۱۔ میں گذر چکی۔

الحکیم یعنی حکمت والا۔حکمت کی بنیاد علم پر ہوتی ہے۔اوراللہ کے حکیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فیصلے دانائی کے ہوتے ہیں۔اس کی تدبیریں محکم ہوتی ہیں اوراس نے اپنی حسن تدبیر سے ہر چیز کو مطابقِ مصلحت موزوں جگہ پر رکھا ہے۔

۶۶۔ سورہ کے آغاز میں بھی اللہ کے غالب اور حکیم ہونے کی صفتوں کا ذکر ہوا تھا اور سورہ کا خاتمہ بھی ان ہی پر ہوا ہے۔یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس سورہ میں جو مضامین بیان ہوئے ہیں وہ ان دو جامع صفتوں پر توجہ مرکوز کراتے ہیں۔اللہ غالب ہے اس لئے اس کے فیصلے نافذ ہو کر رہتے ہیں اور وہ حکیم ہے اس لئے اس کے فیصلے حکمت سے خالی نہیں ہوتے لہٰذا انسان کو اللہ سے ہر حال میں حسنِ ظن رکھنا چاہیئے خواہ اس کو کیسے ہی کٹھن حالات سے دوچار ہونا پڑے۔

۶۰۔ اَلْمُمْتَحِنَة

نام آیت ۱۰ میں ہجرت کر کے مدینہ آنے والی عورتوں کے بارے میں حکم دیا گیا ہے فَامْتَحِنُوْهُنَّ (ان کا امتحان لو کہ واقعی وہ ایمان لائی ہیں یا نہیں۔) اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'الممتحنة' ہے۔ یعنی امتحان لینے والی۔ مراد وہ سورہ ہے جس میں امتحان لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور صلح حدیبیہ کے زمانہ میں (غالباً ۷ھ) میں نازل ہوئی۔ جب کہ عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ رہی تھیں اور ان کے مہر کی واپسی وغیرہ کے مسائل پیدا ہو گئے تھے، جیسا کہ آیت ۱۰ اور ۱۱ سے واضح ہے۔

مرکزی مضمون اسلام کے دشمنوں سے دوستی گانٹھنے اور ذاتی مصلحتوں کی خاطر انہیں جنگی راز وغیرہ کی باتوں سے آگاہ کرنے سے مسلمانوں کو روکنا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۳ میں دشمنان اسلام سے دوستانہ روابط رکھنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اور ان مسلمانوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے جو اپنے مفاد کی خاطر ان سے خفیہ دوستی کرتے ہیں۔ اور راز کی باتیں ان تک پہنچاتے ہیں۔

آیت ۴ تا ۷ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا اپنی کافر قوم سے اعلانِ براءت کو اسوۂ حسنہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۸ اور ۹ میں واضح کیا گیا ہے کہ غیر حربی کافروں کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

آیت ۱۰ تا ۱۲ میں مکہ سے ہجرت کر کے آنے والی عورتوں، نیز ان عورتوں کے بارے میں جو مسلمانوں کے نکاح میں تھیں، اور ان کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد مکہ ہی میں رہ گئی تھیں، ہدایات دی گئی ہیں۔

آیت ۱۳ سورہ کے خاتمہ کی آیت ہے، جس میں اسی بات کی تاکید کی گئی ہے، جس کی ہدایت آغاز سورہ میں دی گئی تھی۔

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ
اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ
وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ
اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ
وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ②

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا
لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا
بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ
اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ
اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④

۶۰۔سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة

آیات: ۱۳

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ ۱۔ تم ان سے دوستی کے روابط بڑھاتے ہو ۲، حالانکہ وہ اس حق کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔ انہوں نے رسول کو اور تم کو اس بنا پر (اپنے وطن سے) نکال دیا کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ ۳۔ اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضا جوئی کیلئے نکلے ہو (تو ان کو دوست نہ بناؤ) ۴۔ تم چھپا کر اُن سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہو ۵۔ حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو اُسے میں جانتا ہوں۔ اور جو کوئی تم میں سے ایسا کریگا وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ ۶۔

۲ اگر وہ تم کو پالیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کرینگے اور بری طرح تم پر دست درازی اور زبان درازی کرینگے اور چاہیں گے کہ تم کافر ہو جاؤ۔ ۷۔

۳ تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد قیامت کے دن تمہارے کچھ بھی کام نہیں آئے گی ۸۔ وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔

۴ تم لوگوں کے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے ۹۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو بالکل بری ہیں۔ ہم نے تم سے کفر (انکار) کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلئے عداوت اور بیزاری ظاہر ہوگئی جب تک کہ تم اللہ وحدہٗ پر ایمان نہ لاؤ ۱۰۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اسوہ نہیں ہے) کہ میں آپ کیلئے مغفرت کی دعا کروں گا ۱۱۔ اور میں آپ کیلئے اللہ کی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا ۱۲۔ اے ہمارے رب ہم نے تیرے ہی او پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع ہوئے اور تیرے ہی طرف لوٹنا ہے۔ ۱۳۔

۱؎ اللہ کا دشمن سے مراد اس کے دین کا دشمن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ ان کو اپنا دشمن ہی سمجھنا چاہیئے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہیئے جو ایک دشمن قوم کے ساتھ روا ہے۔ نہ تو اسلام دشمن لوگوں کے ساتھ قلبی محبت رکھی جاسکتی ہے اور نہ ان کی تشدد پسندی کے مقابلہ میں نرمی برتی جاسکتی ہے اور نہ کوئی ایسا کام کیا جاسکتا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کے مفاد میں جاتا ہو۔ خاص طور سے جنگی کاروائی کے دوران مسلمانوں کو ان کے معاملہ میں بہت محتاط ہونا چاہیئے۔

کافروں کو دوست نہ بنانے کی ہدایت کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ آلِ عمران نوٹ ۴۱؎ اور سورۂ مائدہ نوٹ ۱۶۴؎۔

۲؎ یہ ان مسلمانوں پر گرفت ہے جو اس مصلحت سے کہ مکہ میں ان کے عزیزوں کا تحفظ ہوسکے گا۔ مشرکینِ مکہ کے ساتھ ظاہری طور سے دوستانہ روابط رکھے ہوئے تھے۔ یہ معاملہ اگر چہ وہ بدنیتی کے ساتھ نہیں کر رہے تھے لیکن تھی ان کی کمزوری اور اس کا اثر کافروں کے خلاف کی جانے والی کاروائیوں پر پڑسکتا تھا اس لئے سختی کے ساتھ اس سے روکا گیا۔

۳؎ یہ کفارِ مکہ کی دشمنی کا حال بیان ہوا ہے کہ وہ دینِ حق کے منکر ہیں اور ظلم وزیاتی پر ایسے اتر آئے ہیں کہ رسول کو نیز مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر جانے پر مجبور کیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ مسلمان اللہ ہی کو اپنا رب مانتے تھے اور انہوں نے اس کے سوا کسی کو اپنا رب ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ ایمان ان کی نظروں میں جرم تھا اور جو لوگ ایمان کو جرم قرار دیں وہ کس طرح دوستی کے لائق ہوسکتے ہیں۔

۴؎ یعنی جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کیلیئے اٹھ کھڑے ہوئے ہو اور خالصۃً اسی کی رضا چاہتے ہو تو تمہیں کافروں کے ساتھ اپنے رویہ میں بے لاگ ہونا چاہیئے۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۵؎ یہ بات عمومیت کے ساتھ کہی گئی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کسی فردِ واحد کا قصہ نہیں تھا بلکہ متعدد افراد سے یہ کمزوری سرزد ہوئی تھی اور وہ کسی راز کو پہنچانے ہی کی بات نہیں تھی بلکہ مختلف طریقوں سے دوستی کو نبھانے کی بات تھی۔ رہا حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ جو حدیث میں بیان ہوا ہے تو وہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے اس لئے راویوں نے اس آیت کے شانِ نزول کے طور پر اس کو بیان کر دیا ہے۔ یہ واقعہ معاہدہ حدیبیہ کے ٹوٹ جانے کے بعد پیش آیا تھا اور یہ سورہ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک صحابی حاطب بن بلتعہ نے جن کو ہجرت کا بھی شرف حاصل تھا اور جنگِ بدر میں شرکت کا بھی، کفارِ مکہ کو خط لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ خط انہوں نے ایک بوڑھی عورت کو دے کر روانہ کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا اور فرمایا کہ روضہ خاخ کے مقام پر ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خفیہ خط ہے جو لے آنا۔ ان حضرات نے گھوڑے دوڑا کر اس عورت کو پکڑ لیا اور اس کے پاس سے خط حاصل کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے حاطب کو بلا بھیجا انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں۔ میں قریش کے خاندان سے نہیں ہوں اور جو مہاجرین آپ کے ساتھ ہیں ان کی مکہ میں رشتہ داریاں ہیں اور وہ ان کے گھر والوں اور ان کے مال کا خیال رکھتے ہیں۔ چونکہ میری ان کے ساتھ رشتہ داری نہیں ہے اس لئے میں نے چاہا کہ ان کے ساتھ بھلائی کروں تا کہ وہ میرے رشتہ داروں کا خیال رکھیں۔ میں نے یہ کام کفر اور ارتداد کی وجہ سے نہیں کیا ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو سچ مان لیا اور ان کی عظیم قربانیوں کے پیشِ نظر جو ان کے مخلص مؤمن ہونے کا ثبوت تھیں ان سے درگزر فرمایا۔ **(دیکھئے بخاری کتاب التفسیر سورۃ الممتحنۃ)**

۶؎ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ دوستی گانٹھنے کو گمراہی قرار دیا گیا ہے جس سے اس گناہ کی شدت واضح ہوتی ہے موجودہ دور کے ان

مسلمانوں کو جو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ان کے دشمنوں سے جا ملتے ہیں ان کو اپنا چہرہ اس آیت کے آئینہ میں دیکھ لینا چاہئے۔

۷۔ یعنی ان دشمنانِ اسلام کا حال یہ ہے کہ اگر مسلمان کہیں ان کی گرفت میں آ گئے تو انہیں پھر بخشیں گے نہیں بلکہ ان پر ظلم و زیادتی کریں گے اور انہیں قلبی اذیت پہنچائیں گے اور ان کی کوشش یہی ہوگی کہ مسلمان کافر بن جائیں تو ان کے بُرے عزائم کو دیکھتے ہوئے تم ان کے لئے نرم چارہ کیوں بنو؟

۸۔ یعنی اگر کافروں سے تمہاری رشتہ داریاں ہیں تو وہ اسلام سے زیادہ تمہیں عزیز نہیں ہونی چاہئیں کہ ان کو بچانے کے لئے اسلام کے مفاد کو قربان کرو۔ یہ رشتہ داریاں قیامت کے دن تمہارے کچھ بھی کام آنے والی نہیں۔ اس روز جو چیز کام آئے گی وہ اسلام کے لئے تمہارے دل کا خلوص اور تمہاری قربانیاں ہوں گی۔

۹۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر ان کے اعلانِ برأت سے پہلے کچھ لوگ ایمان لائے تھے اور ان کے ساتھیوں نے بہترین نمونہ پیش کیا تھا۔

۱۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کا یہ اعلان اپنی مشرک قوم سے اعلانِ حق کی حجت قائم ہو جانے کے بعد کیا گیا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے اور پھر جس بے باکی کے ساتھ یہ اعلان کیا گیا وہ عزیمت اور بلند حوصلگی کی نہایت اعلیٰ مثال ہے۔

یہاں اس مثال کو پیش کرنے سے مقصود اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ مسلمان مشرکین سے جو اسلام کے دشمن بنے ہوئے ہیں دوستی کی پینگیں نہ بڑھائیں۔

موجودہ دور کے مسلمان اگر مشرک قوموں کو بے لاگ طریقہ پر توحید کی دعوت دیں اور شرک کے باطل ہونے کو واضح کریں تو ان کا موقف صحیح ہوگا اور کتنے ہی گمراہ لوگوں پر ہدایت کی راہ بھی کھلے گی۔

۱۱۔ یعنی حضرت ابراہیم کا اپنے مشرک باپ کے لئے مغفرت (معافی) کی دعا کرنا اسوۂ حسنہ نہیں ہے کہ تم اس کی تقلید کرو۔ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی قرآن نے ممانعت کی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کے بارے میں سورۂ توبہ (آیت ۱۱۴) میں وضاحت کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے اس کا وعدہ کیا تھا اس لئے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے لیکن جب ان پر یہ بات آشکارا ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ توبہ نوٹ ۲۰۹، ۲۱۰، اور ۲۱۱۔

۱۲۔ اللہ کے آگے حضرت ابراہیم جیسی جلیل القدر ہستی بھی کوئی اختیار نہیں رکھتی تھی تو اور کون ہو سکتا ہے جو کسی کو بخشوا کر چھوڑے؟

۱۳۔ یہ وہ دعا ہے جو حضرت ابراہیم نے اعلانِ برأت کے موقع پر کی تھی۔

اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف
کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم
سے جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔
اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(القرآن)

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٥
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝٦

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ
وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٧

لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ
وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝٨

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن
دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝٩

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ
اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ
إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُم مَّا
أَنفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ
وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا
أَنفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝١٠

٥ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا ١٤؎۔ اور اے ہمارے رب ہمیں معاف فرما۔ بلاشبہ تو غالب اور حکیم ہے۔

٦ یقیناً ان لوگوں میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور روزِ آخر کا امیدوار ہو ١٥؎۔ اس سے جو روگردانی کرے تو اللہ بے نیاز ہے لائق ستائش۔ ١٦؎

٧ عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تمہاری دشمنی ہے دوستی پیدا کردے ١٧؎۔ اللہ بڑی قدرت والا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

٨ اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ١٨؎

٩ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہے ١٩؎۔ اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔ ٢٠؎

١٠ اے ایمان والو! جب مؤمن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کی جانچ کرلو ٢١؎ ۔۔۔۔۔ اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے ٢٢؎ ۔۔۔۔ پھر اگر تمہیں معلوم ہوجائے کہ وہ مؤمن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو ٢٣؎۔ نہ وہ ان (کفار) کیلئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کیلئے حلال ٢٤؎۔ اور انہوں نے (کافر شوہروں نے) جو کچھ خرچ کیا تھا وہ انہیں ادا کردو ٢٥؎۔ اور ان عورتوں سے نکاح کرنے میں تم پر گناہ نہیں جب کہ تم ان کے مہر ان کو ادا کردو ٢٦؎ اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں روکے نہ رکھو ٢٧؎۔ جو کچھ تم نے خرچ کیا تھا اس کا تم (کفار سے) مطالبہ کرو اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا تھا اس کا وہ تم سے مطالبہ کریں ٢٨؎۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، جو تمہارے درمیان وہ کررہا ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ ٢٩؎

۱۴؎ یعنی کافروں کو اتنی ڈھیل نہ دے کہ وہ ہم کو تختۂ مشق بنائیں اور پھر اس مغالطہ میں رہیں کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو ظلم کا نشانہ نہ بنتے۔

۱۵؎ یعنی اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق ان ہی لوگوں کو ہوسکتی ہے جو اللہ سے اجر کی توقع رکھتا ہو اور آخرت کا طالب ہو۔ جو لوگ دنیا کے مفاد کو عزیز رکھیں گے وہ یہ حوصلہ نہیں دکھا سکتے۔

۱۶؎ یعنی اگر تم ہدایت سے روگردانی کرو تو اللہ کا کچھ بگڑنے والا نہیں۔ اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہے اور وہ اپنی ذات میں حمد کا مستحق ہے۔

۱۷؎ یعنی اسلام کے دشمنوں کو دوست نہ بنانے کی جو ہدایت دی گئی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی اسلام دشمنی کبھی ختم ہو ہی نہیں سکتی۔ ہوسکتا ہے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو اور اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور وہ تمہارے دوست بن جائیں۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو اسلام اور مسلمانوں کے یہی دشمن حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور مسلمانوں کے دوست بن گئے۔

۱۸؎ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ ان غیر مسلموں کے ساتھ جو جارح نہیں ہیں یعنی اسلام اور مسلم دشمنی کا مظاہرہ نہیں کرتے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے معاملہ میں انصاف کا رویہ اختیار کرنے سے روکا نہیں گیا ہے۔ یعنی غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آئیں، ان کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کی مصیبت سے عام باشندگانِ مصر کو بچانے کا سامان کیا تھا۔ رفاہی کاموں سے ان کو بھی مستفید ہونے کا موقع دیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی جان، مال اور آبرو پر دست درازی نہ کریں اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان کے ساتھ جو بھلائی ممکن ہو کریں۔ اسی طرح ان سے جو معاملات طے ہوں ان میں انصاف کا رویہ اختیار کریں۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت اس کا مصداق خزاعہ جیسے قبیلے تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف نہ جارحانہ کارروائی کی تھی اور نہ اس معاملہ میں قریش کا ساتھ دیا تھا۔

واضح رہے کہ اس آیت میں ان غیر مسلموں کو جو جارح (Agressive) نہیں ہیں اپنا ولی دوست بنانے اور اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کے خلاف ان سے دوستی کی پینگیں بڑھانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے بلکہ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنے، اخلاقی حقوق کو ادا کرنے اور ان کے معاملہ میں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اجازت اور ہدایت دی گئی ہے۔ اس لئے بات کو اپنے معروف حدود میں رکھنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری متعلقہ آیتیں بھی پیشِ نظر رہنی چاہئیں۔ مثلاً آل عمران آیت ۲۸ (نوٹ ۴۱؎) سورۂ مائدہ آیت ۵۱ (نوٹ ۱۶۴؎)، سورۂ توبہ آیت ۲۳ (نوٹ ۴۴؎)

اس سے موجودہ دور کی غیر اسلامی ریاستوں میں رہنے والے مسلمانوں کو یہ رہنمائی ملتی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہئے اور وہ ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں۔ خاص طور سے یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ جن غیر مسلموں کا طرزِ عمل اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جارحانہ نہیں ہے ان پر کسی قسم کی زیادتی روا نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی غیر مسلم قوم کا رویہ بحیثیت قوم جارحانہ ہے تو اس کے ساتھ پالیسی اختیار کرنے میں پوری قوم کے رویہ ہی کو پیش نظر رکھا جائے گا نہ کہ افراد کے طرزِ عمل کو۔

۱۹؎ یعنی وہ قبیلے بھی جنہوں نے تمہارے خلاف کارروائی کرنے میں قریش کی پشت پناہی کی ہے۔

۲۰؎ واضح ہوا کہ اسلام دشمن عناصر سے جو مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے رہتے ہیں دوستی کے روابط قائم کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

۲۱؎ صلح حدیبیہ میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ مکہ سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن عورتوں کے بارے میں کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی اور عورتوں کے مسئلہ کی نوعیت بھی مختلف تھی اس لئے طے شدہ دفعہ کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوسکتا تھا۔ جب عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ آنے لگیں تو ان مہاجر مسلمان عورتوں کے بارے میں سوال پیدا ہوا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے،

یہ مسلمان مہاجر عورتوں کے مسائل کا حل بھی تھا اور کافروں کے ساتھ انصاف کے تقاضوں کو بھی پورا کرتا تھا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ان مسلمان عورتوں کو پرکھنے کا حکم دیا گیا جو ہجرت کر کے مدینہ آجائیں۔ یعنی یہ دیکھ لیا جائے کہ کیا واقعی انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ان کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے یا کسی دنیوی مفاد اور اپنی ذاتی غرض سے وہ مدینہ آئی ہیں۔ اگر پہلی صورت ہے تو انہیں کافروں کی طرف لوٹایا نہ جائے اور اگر دوسری صورت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو روک لیا جائے۔

۲۲۔ یعنی ان کے دلوں کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے اس لئے ان کے ایمان کو بہتر طور پر جاننے والا وہی ہے۔ تمہارا کام قرائن وشواہد کی بنا پر رائے قائم کرنا ہے اس سے زیادہ ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔

۲۳۔ یعنی تحقیق کرنے کے بعد تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی ایمان لائی ہیں تو ان کو کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ بلکہ اپنے معاشرہ (سوسائٹی) میں انہیں جگہ دو۔

۲۴۔ یعنی ایسی مسلمان عورتوں کو کافروں کی طرف لوٹانا اس لئے صحیح نہیں کہ وہ نہ کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافر ان کے لئے حلال ہیں۔ یہ حکم اپنی جگہ ایک اصولی حکم ہے جس کی رو سے نہ کوئی مسلمان عورت کافر کے نکاح میں رہ سکتی ہے اور نہ کسی کافر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مسلمان عورت کو اپنے نکاح میں رکھے۔ اگر بیوی اسلام قبول کر لے اور شوہر اسلام قبول نہ کرے تو دونوں کے درمیان تفریق عمل میں آئے گی اور عدت گذارنے کے بعد بیوی دوسرا نکاح کرنے کے لئے آزاد ہو جائے گی۔

۲۵۔ یعنی ان مسلمان عورتوں کے کافر شوہروں نے جو مہر ادا کئے تھے وہ ان کو لوٹا دو۔ یہ ہدایت صلح حدیبیہ کے پیشِ نظر انصاف کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے دی گئی تھی۔ مہر لوٹانا مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری تھی۔

۲۶۔ یعنی ان مسلمان مہاجر عورتوں سے مدینہ کے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ نئے مہر کے ساتھ ان سے نکاح کریں۔

۲۷۔ یعنی جو کافر عورتیں تمہارے نکاح میں چلی آرہی ہیں انہیں اب چھوڑ دو۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو بیویوں کو جو مکہ میں رہ گئی تھیں اور ایمان نہیں لائی تھیں اس آیت کے نزول کے بعد چھوڑ دیا۔ یہ اصولی ہدایت ہے لہٰذا اگر کوئی شخص مسلمان ہو گیا ہو اور اس کی بیوی کافر ہو تو وہ اسے اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا الا یہ کہ وہ اہلِ کتاب (یہودی یا نصرانی) ہو (دیکھئے سورۂ مائدہ آیت ۵)۔ کافر عورتوں میں مشرک عورتیں بھی شامل ہیں اور ملحد عورتیں بھی۔

۲۸۔ یعنی مسلمانوں کی جو بیویاں مکہ میں رہ گئیں اور انہوں نے ان کے کافر ہونے کی بنا پر انہیں چھوڑ دیا تو جو مہر انہوں نے ادا کئے تھے ان کی واپسی کا مطالبہ مسلمان کافروں سے کریں اور جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے مدینہ آجائیں ان کے کافر شوہر جو مکہ میں رہ گئے ہوں اپنے مہر کا مطالبہ مسلمانوں سے کریں۔ اس طرح مہر کی واپسی کے بارے میں مسلمانوں اور کافروں دونوں کی ذمہ داریاں مساوی قرار پائی ہیں اور ادائیگی کا یہ نظم قومی یا ریاستی سطح پر ہونا چاہیئے۔

۲۹۔ یعنی صلح حدیبیہ کے تعلق سے مہاجر مسلمان عورتوں کی واپسی کا جو مسئلہ پیدا ہو گیا تھا اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کی شکل میں فرما دیا ہے اور اس کا فیصلہ علم وحکمت پر مبنی ہے لہٰذا فریقین کے درمیان اب نزاع کی کوئی صورت باقی نہیں رہنی چاہیئے۔

اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ
جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ آخرت سے
مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کفار قبر والوں
سے مایوس ہیں۔ (القرآن)

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا
الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ
اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

۱۱ اور اگر تمہاری بیویوں کے مہر میں سے کچھ کافروں کی طرف رہ جائے اور پھر تمہاری باری آئے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں ان کو اتنا ادا کردو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے ۳۰؎۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ
بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ
وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ
وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

۱۲ اے نبی! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں، اس بات پر کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان نہ گھڑیں گی اور کسی معروف بات میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لے لو ۳۱؎۔ اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو ۳۲؎۔ یقیناً اللہ مغفرت فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ
اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

۱۳ اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ کا غضب ہوا ۳۳؎۔ وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کفار قبر والوں سے مایوس ہیں۔ ۳۴؎

۳۰؎ یعنی اگر صورت یہ پیش آجائے کے جن کافروں کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے ان کے پاس مدینہ کے مسلمانوں میں سے کسی کی کافر بیوی رہ جائے یا مدینہ آکر واپس چلی جائے اور نکاح فسخ ہوجانے کی بنا پر اس کا مہر کفار مدینہ کے مسلمان شوہر کو نہ لوٹائیں تو جب تمہاری باری آئے اور کسی مسلمان خاتون کے مدینہ ہجرت کر کے آجانے کی بنا پر اس کا مہر کفار مکہ کو لوٹانا ہو تو اس کا ایڈجسٹمنٹ (Adjustment) اس طرح کرلیا جائے کہ مہر کی جو رقم کفار سے وصول طلب ہو اس کے بقدر رقم اس مہر میں سے مدینہ کے مسلمان شوہر کو ادا کردی جائے۔

۳۱؎ اوپر مہاجر عورتوں کو جانچ لینے کی ہدایت کی گئی تھی اس آیت میں اس پس منظر میں عورتوں سے بیعت لینے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ جس جاہلی معاشرہ سے نکل کر وہ اسلامی معاشرہ میں داخل ہورہی ہیں اس کی برائیوں کو وہ اپنے ساتھ نہ لائیں اور اپنی زندگیوں کو اور اسلامی معاشرہ کو ان سے پاک رکھیں۔ اس کی ضرورت خاص طور سے اس لئے پیش آئی کہ دوسری مؤمن خواتین کی طرح ان کو اسلامی سوسائٹی میں رہنے اور اپنی تربیت کرنے کے مواقع نہیں ملے تھے۔ نیز جو خواتین پہلے اسلام میں داخل ہوئی تھیں وہ نیکی میں سبقت کرنے والی خواتین تھی لیکن بعد میں اسلام میں داخل ہونے والی خواتین ان کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی تھیں۔

یہ بیعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ہاتھ پر کرنے کے لئے تھی اور جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ایک خاص موقع پر مؤمن عورتوں سے بیعت لینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس بیعت کا خاص ہونا اس آیت سے بخوبی واضح ہے۔ چنانچہ اس میں ارشاد ہوا ہے کہ: وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِي مَعْرُوْفٍ (وہ معروف میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی۔) اور جو مقام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا اس لئے کسی اور کے ہاتھ پر گناہوں سے بچنے وغیرہ کی بیعت کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور تصوف کی راہ سے جو پیری مریدی اسلام میں داخل کردی گئی ہے اور ایک پیر اپنے مرید سے جو بیعت لیتا ہے وہ سب بدعت ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ فتح نوٹ ۱۷؎۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں سے بیعت لیتے تو ہاتھ کو چھوتے نہیں تھے بلکہ فرمادیتے میں نے تم سے بیعت لے لی۔

(بخاری کتاب التفسیر)

اس بیعت میں شرک سے بچنے کو اولیت دی گئی ہے۔ جاہلیت اور جہالت کے زیر اثر عورتوں میں شرک اور مشرکانہ توہمات بہ آسانی راہ پاجاتے ہیں اس لئے انہیں اس بارے میں چوکنا رہنا چاہیئے۔

چوری کی عادت بھی عورتوں میں ہوتی ہے اور وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کر کے زنا کی مرتکب بھی ہوتی رہتی ہیں، اس لئے مسلمان عورتوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ ان بڑی بڑی بُرائیوں میں ملوث نہ ہوجائیں۔

قتل اولاد کی ایک شکل یہ تھی کہ مفلسی کے ڈر سے بچوں کو قتل کردیا جاتا تھا اور دوسری شکل یہ تھی کہ مشرکانہ وہم پرستی کی بنا پر اولاد کو بتوں یا دیوی دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک تیسری شکل بھی تھی جو اس زمانہ میں بھی موجود ہے کہ ولد الزنا (حرام اولاد) کا گلا گھونٹ کر اسے کہیں پھینک دیا جائے۔ یہ بھی جان کا قتل ہے جو صریح حرام ہے۔ اپنے ہاتھ اور پاؤں کے آگے بہتان گھڑنے سے مراد دوسرے کی اولاد کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرنا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ناجائز حمل ٹھہر جانے پر وہ اسے اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے۔

معروف بات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی نہ کرے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کی اطاعت معروف کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ کوئی نبی کبھی غیر معروف کا حکم دیتا ہی نہیں، اور قرآن کریم میں اطاعت رسول کا حکم (اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ) بلاشرط دیا گیا ہے اس لئے یہاں اس کو شرط کے معنی میں لینے کی کوئی وجہ نہیں۔ اوپر متعدد منکرات سے بچنے کا عہد لینے کی ہدایت ہوئی تھی۔ اب یہ جامع بات کہی گئی ہے جس میں عبادت واطاعت کے تمام امور آجاتے

ہیں جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں۔نماز، زکوٰۃ وغیرہ سب اس معروف میں داخل ہیں۔

۳۲۔ یعنی ان کے پچھلے قصوروں کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کرو۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بخشش کی یہ دعا ان مؤمن عورتوں کے لئے تسکینِ قلب کا سامان تھی۔

۳۳۔ مراد یہود ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ان کو دوست بنانے کی ممانعت بھی اسی طرح ہے جس طرح کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت ہے۔اس ہدایت کے پیشِ نظر آج مسلمانوں کو اسرائیل سے تعلقات کے معاملہ میں محتاط رہنا چاہیئے اور ان سے دوستی کے روابط ہرگز نہیں قائم کرنا چاہیئے۔

۳۴۔ یعنی جس طرح کفار مُردوں کے زندہ ہونے کی طرف سے مایوس ہیں۔اسی طرح یہود اگرچہ آخرت کے قائل ہیں لیکن اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آخرت پر یقین اور اس کی کامیابی کی طرف سے بالکل مایوس ہیں۔وہ آرزؤں اور تمناؤں کا اظہار ضرور کرتے ہیں لیکن ان کے دل آخرت کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں اور وہ دنیا پرستی میں بالکل غرق ہیں۔اسی لئے قرآن میں ان کے دعوئے آخرت کو بے حقیقت قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ عِنْدَاللّٰہِ خَالِصَۃً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ وَلَنْ یَّتَمَنَّوْہُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِیْنَ۔ (بقرہ:۹۴۔۹۵)

''ان سے کہو اگر آخرت کا گھر تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے لئے مخصوص ہے تو موت کی تمنا کرو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو مگر انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے اس کی وجہ سے وہ ہرگز اس کی تمنا نہ کریں گے۔اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

۶۱۔ الصَّف

نام آیت ۴ میں اللہ کی راہ میں صف بستہ ہوکرلڑنے والوں کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''الصّف'' ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنگِ احد کے بعد ۰۳ھ میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے پر ابھارنا ہے۔

نظمِ کلام پہلی آیت تمہیدی ہے، جس میں آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کے، اللہ کی تسبیح میں زمزمہ سنج ہونے کا ذکر ہے۔

آیت ۲ تا ۴ میں ان مسلمانوں پر گرفت ہے، جو اپنے قول پر عمل نہیں کرتے اور اپنے عہد کو پورا نہیں کرتے۔اور ان مسلمانوں کی تعریف ہے جو منظم ہوکر اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور وفائے عہد کا ثبوت دیتے ہیں۔

آیت ۵ اور ۶ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ یہود کے نقشِ قدم پر نہ چلیں، جنہوں نے اپنے پیغمبر کو اذیت دی۔اور کجروی (ٹیڑھ پن) اختیار کی، جس کے نتیجہ میں ان کے دل ٹیڑھے ہوکر رہ گئے۔ پھر انہوں نے اپنے ہی درمیان سے اٹھنے والے ایک ایسے رسول کا انکار کیا، جس کا ظہور کھلے معجزات کے ساتھ ہوا تھا۔

آیت ۷ تا ۹ میں اسلام کی مخالفت کرنے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ کا نور پورا ہوکر رہے گا۔اور اس کا دین تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا، خواہ کفار اور مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

آیت ۱۰ تا ۱۳ میں مسلمانوں کو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔اور اس کی اخروی جزا بھی بیان کی گئی ہے، نیز نصرت وفتح کی خوشخبری بھی دیدی گئی ہے۔

آیت ۱۴ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں کی مثال پیش کرکے اہل ایمان کو اللہ کے مددگار (یعنی اس کے دین کے مددگار) بننے کی دعوت دی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الصَّفِّ

۶۱۔سُوْرَةُ الصَّفِّ

آیات: ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١﴾

۱ اللہ کی تسبیح کرتی ہیں آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں ۱؎۔ اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢﴾

۲ اے ایمان والو! ۲؎ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں! ۳؎

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٣﴾

۳ اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرو نہیں۔ ۴؎

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ
بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿٤﴾

۴ اللہ تو ان لوگوں کو پسند کرتا ہے، جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں، گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ ۵؎

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۗ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٥﴾

۵ اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! مجھے کیوں اذیت دیتے ہو حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں ۶؎۔ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دئے ۷؎۔ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ۸؎

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ
مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۗ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا
هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦﴾

۶ اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں ۹؎۔ اور تورات میں سے جو کچھ میرے سامنے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں ۱۰؎۔ اور خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا ۱۱؎۔ تو جب وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے۔ ۱۲؎

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى
الْاِسْلَامِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾

۷ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو؟ ۱۳؎ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ۱۴؎

۱۔ اس کی تشریح سورۂ حدید نوٹ ۱ ۔ میں گزر چکی۔

۲۔ خطاب عام مسلمانوں سے ہے اگرچہ اصل مخاطب کمزور کردار کے لوگ ہیں۔

۳۔ یہ سوال اس بات کا احساس دلانے کیلئے ہے کہ آدمی جو کہے وہی کر کے دکھائے۔ اگر ایک کام کرنا نہیں ہے تو اس کا اظہار واعلان کیوں کرے۔ یہ بات اگرچہ عمومیت کے ساتھ کہی گئی ہے، جس میں وعدہ خلافی اور عہد شکنی جیسی چیزیں بھی شامل ہیں۔ لیکن خاص طور سے اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو کہتے تھے کہ اگر کافروں سے جنگ کا موقع ہمیں مل گیا تو ہم مردانہ وار لڑیں گے۔ لیکن جب اس طرح کے مواقع پیش آنے لگے تو بے دریغ لڑنے سے جی چرانے لگے۔

۴۔ یعنی اللہ کی نظر میں ایسے لوگ مبغوض ہیں جو قول و عمل کے تضاد میں مبتلا ہوں۔ جو لوگ صرف باتوں کے دھنی اور گفتار کے غازی ہوتے ہیں ان کی کوئی وقعت اللہ کی نظر میں نہیں ہے۔ قول و عمل میں مطابقت ضروری ہے۔ اسلام کے نزدیک ''قوالی'' کی نہیں بلکہ ''فعالی'' کی اہمیت ہے۔ لفاظی اور کسی کام کے بلند بانگ دعوے کرنا اور پھر پھسڈی ہونا سخت مذموم حرکت ہے۔

۵۔ یعنی اللہ کو باکردار لوگ پسند ہیں، جو متحد اور منظم ہو کر اس کی راہ میں جہاد کریں اور جان کی بازی لگا دیں۔ جنگ میں دشمن کے مقابلہ کے لئے صف آرائی اپنی قوت اور اپنے عزم کا اظہار ہے نیز یہ اس بات کا اہتمام بھی ہے کہ دشمن مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے نہ پائے۔

اللہ کی راہ میں لڑنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کی جنگ **خالصۃً** دینِ حق کی سربلندی اور رضائے الٰہی کے حصول کیلئے ہو۔ مسلمانوں کی وہ جنگیں جو دنیوی اغراض کے لئے ہوتی ہیں جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف میں نہیں آتیں۔

۶۔ بنی اسرائیل اس بات کو جاننے کے باوجود کہ حضرت موسیٰ اللہ کے رسول ہیں، انہیں اذیت دیتے رہے جس کی متعدد مثالیں قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ جہاد کے تعلق سے انہوں نے موسیٰ کو جو اذیت دی اس کا ذکر سورۂ مائدہ میں ہوا ہے۔ جب حضرت موسیٰ نے ان سے ارضِ مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ وہاں زبردست لوگ رہتے ہیں، اس لئے جب تک وہ وہاں سے نکل نہیں جاتے ہم وہاں داخل نہیں ہوں گے۔ اور پھر یہاں تک کہہ گزرے کہ:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ (مائدہ: ۲۴)

''تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔''

بنی اسرائیل کی اس اذیت دہی کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود نبی ﷺ کے پیروؤں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ اپنے رسول کے ساتھ اذیت کا رویہ اختیار نہ کریں بلکہ آپ کی قیادت پر کامل اعتماد کرتے ہوئے سرفروشی کے ساتھ جنگ لڑیں۔

۷۔ جو شخص سیدھا دین پسند نہیں کرتا اور ٹیڑھی باتیں کرنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ٹیڑھ پیدا کر دیتا ہے۔ پھر اس کے ذہن کا سانچہ ہی ٹیڑھا ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ بالکل غلط راہ پر جا پڑتا ہے۔ اسی لئے اہل ایمان کو یہ دعا کرنے کی ہدایت ہوئی کہ:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ (آلِ عمران۔ ۸)

''اے ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر۔''

۸۔ یعنی جو لوگ نافرمان بنے رہنا چاہتے ہیں ان پر ہدایت کی راہ نہیں کھلتی۔ ہدایت اسی کو ملتی ہے جو اس کا طالب اور قدرداں ہو۔

بنی اسرائیل نے جب جہاد کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی تو انہیں فاسق قرار دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ آیت ۲۵ اور ۲۶)

۹۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران نوٹ ۷۲۔

۱۰۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران نوٹ ۷۴۔

''تورات میں سے جو کچھ میرے سامنے موجود ہے۔ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ تورات اپنی اصل شکل میں مکمل طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی موجود نہیں تھی بلکہ اس کے اجزاء موجود تھے، اس لئے اس کے جو اجزاء موجود تھے ان کی آپ نے تصدیق فرمائی۔

۱۱۔ یہ آخری رسول (حضرت محمد ﷺ) کے بارے میں بہت واضح پیشین گوئی ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائی اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری رسول تھے جن کے بعد بنی اسمٰعیل میں خاتم النبیین کی بعثت ہونے والی تھی، اس لئے اس کی بشارت دینے کا کام اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے ان کے سپرد کیا تھا۔ انہوں نے واضح طور پر دنیا کو خوشخبری دی کہ آنے والا نبی کس شان کا ہوگا۔

پیشین گوئیاں خواہ کسی قسم کی ہوں بالعموم اشاروں اور کنایوں میں بیان ہوئی ہیں اور اگر کوئی پیشین گوئی کسی نبی سے متعلق ہے تو اس کے اصل نام کے بجائے اس کا وصفی نام بیان ہوا ہے (سوائے حضرت یحیٰی کے) تاکہ یہ وصف اس کی نبوت پر دلیل ہو۔

اَحْمَدُ نبی ﷺ کا دوسرا نام تھا چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ جُبَیْرِ بن مُطْعَمٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ۔ اَنَامُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ۔۔۔۔ (مسلم کتاب الفضائل)

''جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں۔۔۔''

لفظ احمد حمد سے ہے اور اس نام کی تشریح امام راغب نے اس طرح کی ہے:

فَاَحْمَدُ اِشَارَۃٌ اِلَی النَّبِیِ ﷺ بِاسْمِہٖ وَ فِعْلِہٖ تَنْبِیْھًا اَنَّہٗ کَمَا وُجِدَ اسْمُہٗ اَحْمَدُ یُوْجَدُ، وَ ھُوَ مَحْمُوْدٌ فِی اَخْلَاقِہٖ وَ اَحْوَالِہٖ۔

''احمد کا اشارہ نبی ﷺ کے نام اور سیرت کی طرف ہے اور اس بات سے باخبر کرنا مقصود ہے کہ آپ اسم بامسمیٰ ہوں گے، یعنی اپنے اخلاق و کردار میں محمود (قابلِ تعریف) ہوں گے۔ (مفردات ص ۱۳۰)

اس لفظ کے دوسرے معنی بہ کثرت حمد کرنے والے کے ہیں (احمد حامد سے افعل التفضیل کا صیغہ ہے) نبی ﷺ نے جس کثرت سے اللہ کی حمد کی ہے، جس شرح و بسط کے ساتھ اس کی صفاتِ محمودہ کو پیش کیا۔ نماز کا آغاز جس طرح حمد (سورۂ فاتحہ) سے فرمایا، حمد و تسبیح پر مشتمل اذکار کا جو خزانہ امت کو عطا کیا، اور حمد و ستائش سے جس طرح فضاؤں کو بھر دیا، وہ آپ کا طرۂ امتیاز ہے اور آپ کے احمد ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

آپ کا یہ اسمِ گرامی معروف رہا ہے چنانچہ دربارِ نبوی کے شاعر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

صَلیَ الالٰہُ وَ مَنْ یَحُفُّ بِعَرْشِہٖ   وَ الطَّیِّبُوْنَ عَلَی الْمُبَارَکِ اَحْمَدَ

''اللہ اور عرش کے گرد رہنے والے فرشتے اور پاکیزہ لوگ مبارک ذاتِ محمد پر درود بھیجتے ہیں۔''

جہاں تک موجودہ انجیلوں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کا تعلق ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور ان کی تعلیمات کو ناقص شکل میں پیش کرتی ہیں۔ کیونکہ ان مؤلفین نے ان کو عیسیٰ کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے کئی سال بعد مرتب کیا تھا۔ اور یہ ترتیب دینے والے سوائے متی کے عیسیٰ علیہ السلام کے حواری نہیں تھے کہ انہوں نے ان سے براہِ راست سنا ہو۔ اس لئے یہ وہ انجیل نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ البتہ اس کے کچھ اجزاء اس میں ضرور موجود ہیں مگر وہ اپنی اصل شکل میں نہیں۔ بنی اسرائیل کی مذہبی زبان عبرانی رہی ہے اور تورات اور دیگر صحیفے عبرانی میں موجود ہیں گو تحریف شدہ شکل میں، لیکن انجیل عبرانی میں موجود نہیں ہے۔ موجودہ انجیلیں یونانی (Greek) زبان سے ترجمہ شدہ ہیں اور پھر ترجمہ در ترجمہ ہونے کی وجہ سے

بات اپنی اصل سے بہت زیادہ ہٹ گئی ہے۔ پھر یہ کتابیں خود بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کرتیں کہ وہ لفظاً لفظاً وحی الٰہی ہیں بلکہ ان میں واقعات نگاری کا اسلوب بالکل واضح ہے، بائبل کا شارح خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ جیسا کہ لوقا کی انجیل میں بیان ہوا ہے، واقعات نگاری اس کا مقصد ہے اور اس میں اس کے الہامی ہونے کا کہیں دعویٰ نہیں کیا گیا ہے:

The motive and method of the writing of a gospel are described in the prologue of the Gospel of Luke, without any claim to inspiration, the writer set out to get the best information that he could and to use the previous attempts which had been made. The narrative was not designed to be sacred scripture. it was a record of events wherein the sacred scriptures were fulfilled.

(Peake's Commentary on the Bible -London 1962 p.4)

تاہم موجودہ انجیلوں میں آنے والے رسول کے بارے میں واضح اشارات ملتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی منطبق ہوتے ہیں مثلاً:

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آ رہا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' (یوحنا۔ ۱۴:۳۰)

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔'' (یوحنا۱۶:۷)

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔'' (یوحنا ۱۶: ۱۲۔ ۱۳)

انجیل کے اردو ترجمہ میں ''مددگار'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن ابن ہشام نے صراحت کی ہے کہ یوحنا کی جو انجیل سریانی زبان میں ہے اس میں لفظ منحمنا استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں 'محمدؐ'۔ (ابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۱)

اور انجیل متی میں آخری نبی کے بارے میں اس طرح پیشین گوئی ہے:

''یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتابِ مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے، اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔'' (متی ۲۱: ۴۲ تا ۴۵)

رہی انجیل برناباس (Barnabbas) تو اس میں نام کی صراحت کے ساتھ پیشین گوئی موجود ہے:

''یسوع نے جواب دیا یقین کر برناباس ۔۔۔۔۔۔۔ خدا کی مشیت ہوئی کہ دنیا میں لوگ یہوداہ کی موت پر میری ہنسی اڑائیں اور سب لوگ یہی جانیں کہ میں صلیب پر مرا۔ اور یہ ہنسی اڑتی رہے گی جب تک محمدؐ، خدا کا رسول نہ آ جائے کہ وہ جب آئے گا تو اس فریب کو ان پر فاش کرے گا جو خدا کی شریعت پر ایمان لائیں۔'' (باب۔ ۲۲)

مگر یہ انجیل کی طرح لائقِ اعتماد نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سورج سے زیادہ روشن ہے آپ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے کمزور دلیلوں کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ انجیل برناباس کی پیشین گوئیاں عیسائیوں کے لئے حجت نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ وہ اسے مستند نہیں مانتے۔ اس انجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو کسی مسلمان نے مرتب کر کے برناباس کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے جعلی ہونے پر مبسوط بحث کی ضرورت ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس لئے مختصراً چند باتیں پیش کی جاتی ہیں:

۱) برناباس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہونا ثابت نہیں ہے ۔ بائبل کی کتاب ''اعمال'' (Acts) سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پال (Paul) کے ساتھ تبلیغ کے لئے انطاکیہ گیا تھا (اعمال ۱۵:۲۲) مگر اس کے حالات نامعلوم ہیں ۔

۲) برناباس نے اپنی کتاب کے آغاز میں اس کے لکھنے کی غرض یہ بیان کی ہے کہ پولس جو فاسد عقائد پھیلا رہا ہے اس کی تردید کی جائے اور سچی باتیں سامنے لائی جائیں، لیکن کتاب کے آخر میں لکھتا ہے کہ یسوع نے اس سے کہا:

دیکھ برناباس، تو ضرور بالضرور میری انجیل لکھنا'' (باب:۲۲۱)

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے برناباس کو انجیل لکھنے کا پہلے ہی حکم دیا تھا تو پھر اسے اول روز ہی یہ کام کرنا چاہیئے تھا ۔ اور اس کتاب کے لکھنے کی غرض بھی یہی بیان کرنا چاہیئے تھی مگر وہ پال کے فاسد عقائد کے پھیلنے تک خاموش رہا ۔

۳) انجیل برناباس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا صرف ایک نسخہ جو اطالوی زبان میں تھا پوپ سکٹس (Sixtus) (۱۵۸۵ ۔ ۱۵۹۰ء) کے کتب خانوں میں موجود تھا اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں وہ منظر عام پر آیا ۔ اگر یہ واقعۃً برناباس کی لکھی ہوئی انجیل ہے تو وہ اصلاً کس زبان میں تھی اور پوری دنیا اس سے کس طرح بے خبر رہی ؟

۴) اس انجیل میں حضرت مریم کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ جب وہ حاملہ ہوگئیں، تو اس ڈر سے کہ کہیں وہ زنا کے الزام میں سنگسار نہ کردی جائیں اپنے لئے اپنی ہی برادری کا ایک ساتھی چن لیا جس کا نام یوسف تھا ۔ (باب ۲)

یہ بات قرآن کے بیان کے صریح خلاف ہے اور حضرت مریم کے کردار کو بھی مشکوک بنا دیتی ہے ۔ وہ تو پیکرِ عفت تھیں ۔ اور اللہ پر ان کا توکل غیر معمولی تھا پھر وہ کیوں اپنے کو ایک ایسے شخص کی طرف جو اس کا شوہر نہیں تھا منسوب کرتیں ؟

۵) اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک دعوت کے موقع پر پانی کو شراب بنا دیا تھا ۔ (باب ۱۵) کیسی لغو بات ہے جو حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کی گئی ہے !

۶) اس میں انبیاء کی تعداد حضرت عیسیٰ کی زبانی ایک لاکھ چوالیس ہزار بیان کی گئی ہے ۔ (باب ۱۷)

ایسی ہی بات ضعیف حدیث میں بیان ہوئی ہے اور معلوم ہوتا ہے یہ اسی سے ماخوذ ہے ۔

اسی باب میں آگے چل کر بیان ہوا ہے کہ ایلیاہ کے وقت میں ایزبل نے دس ہزار نبی قتل کئے ۔ یہ صریح مبالغہ ہے ۔ بہ یک وقت اتنی بڑی تعداد میں نبیوں کے بھیجے جانے کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اس کی تائید نہ قرآن سے ہوتی ہے اور نہ حدیث سے ۔

۷) اس میں حضرت عیسیٰ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ ''شیطان جو گویا فرشتوں کا کاہن اور سردار تھا ۔'' (باب ۲۵)

یہ بات بھی قرآن کے بیان سے ہرگز میل نہیں کھاتی ۔

۸) اس میں حضرت آدم کا یہ قصہ بیان ہوا ہے کہ :

''جب آدم اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے ہوا میں ایک تحریر دیکھی جو سورج کی طرح چمک رہی تھی کہ خدا ایک ہی ہے اور محمد خدا کا رسول ہے ۔ اس پر آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا اے خداوند میرے خدا میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے میری تخلیق کی تقدیر فرمائی ۔ مگر میں منت کرتا ہوں مجھے بتا ان الفاظ کا کیا مطلب ہے ۔ ''محمد خدا کا رسول ہے ۔'' کیا مجھ سے پہلے اور انسان بھی ہوئے ہیں ؟ تب خدا نے کہا مرحبا اے میرے بندے آدم، میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا اور وہ جسے تو نے (مُندرج) دیکھا ہے تیرا بیٹا ہے، جو دنیا میں اب سے بہت سال بعد آئے گا اور میرا رسول ہوگا جس کے

لئے تمام چیزیں پیدا کی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آدم نے خدا کی منت کی کہ خداوند یہ تحریر میرے ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخنوں پر درج فرمادے ۔ تب خدا نے پہلے انسان کے انگوٹھوں پر یہ تحریر درج کر دی ۔ دائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا خدا ایک ہی ہے اور بائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا محمد خدا کا رسول ہے ۔ تب پہلے انسان نے پدرانہ شفقت سے یہ الفاظ چومے اور اپنی آنکھیں ملیں اور کہا مبارک ہووہ دن جب تو دنیا میں آئے ۔ (باب ۳۹ اور باب ۴۱) میں بیان ہوا ہے کہ حضرت آدم نے جنت کے پھاٹک پر لکھا ہوا دیکھا ''خدا ایک ہی ہے اور محمد اس کا رسول ہے ۔''

یہ ایسی ہی باتیں ہیں جو ہمارے یہاں موضوع (گھڑی ہوئی) حدیثوں میں بیان ہوئی ہیں ۔

تعجب ہے مولانا مودودی نے ایک ایسی انجیل کو جو مجہول ہے اور جس میں بے سروپا باتیں اور کلامی بحثیں درج ہیں مستند قرار دیا ۔ اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے ان پیشین گوئیوں کو نقل کیا جو اس میں بیان ہوئی ہیں ۔ فرماتے ہیں :

''اس بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انجیل برناباس درحقیقت اناجیل اربعہ سے زیادہ معتبر انجیل ہے مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور سیرت اور اس کی صحیح ترجمانی کرتی ہے ۔'' (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۷۱)

مگر کسی ایسی کتاب کو جس میں الہامی باتیں بیان کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہو اس کے محض خوش کن پہلوؤں کو دیکھ کر متاثر ہوجانا صحیح نہیں اس کا اثر ہمارے موقف پر پڑتا ہے اور دوسرے مسائل بھی پیدا ہوجاتے ہیں ۔

۱۲ ۔ یعنی بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو جادو قرار دیا ۔ یہی مضمون سورۂ مائدہ میں بھی بیان ہوا ہے :

وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَنْکَ اِذْ جِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ (مائدہ ۔ ۱۱۰)

''اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو تم سے روک دیا تھا جب کہ تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے اور جو لوگ ان میں سے کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ تو کھلا جادو ہے ۔''

۱۳ ۔ یعنی پیغمبر قرآن کی دعوت ٹھیٹھ اسلام کی طرف ہے لیکن یہ یہود وغیرہ اپنے جھوٹے مذہبی عقائد کی بناء پر اس کی مخالفت کر رہے ہیں حالانکہ کوئی بھی مذہبی عقیدہ جس کو اللہ کی طرف سے سند حاصل نہ ہو اللہ پر جھوٹ باندھنے کے ہم معنی ہے ۔ مثلاً یہود کا یہ دعویٰ کہ رسول بنی اسرائیل ہی میں سے ہوسکتا ہے، نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین کا یہ دعویٰ کہ معبود بہت سے ہیں ۔ اور اللہ نے اس شخص (حضرت محمد ﷺ) کو رسول بنا کر نہیں بھیجا ہے ۔ یہ اور اس قسم کی دوسری خلافِ اسلام باتیں جن کو اہل مذاہب اپنا مذہبی عقیدہ سمجھتے ہیں اور اس بنا پر اسلام کو قبول نہیں کرتے، اللہ کی طرف صریح جھوٹ منسوب کرتے ہیں خواہ وہ اللہ کا نام لے کر یہ باتیں کہیں یا نہ کہیں ۔ کیونکہ عقیدہ و مذہب کا تعلق لازماً خدا سے ہے ۔ تو خدا کے بارے میں جھوٹ بولنا کوئی معمولی جرم نہیں ہوسکتا بلکہ یہ جرم نہایت سنگین ہے ۔

۱۴ ۔ یعنی جب تک وہ اس ظلم (غلط روی) سے باز نہیں آتے انہیں ہدایت نہیں مل سکتی ۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ
وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ﴿۸﴾

۸ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھادیں۔مگر اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو ناگوار ہو۔ ۱۵ ۔

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۹﴾

۹ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو۔ ۱۶ ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيمٍ ﴿۱۰﴾

۱۰ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے۔ ۱۷ ۔

تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ
وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

۱۱ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر ۱۸ ۔ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے ۱۹ ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ ۲۰ ۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۲﴾

۱۲ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا ۲۱ ۔ اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں ۲۲ ، جو جاودانی باغوں میں ہوں گے ۲۳ ۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ ۲۴ ۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾

۱۳ اور دوسری چیز بھی جو تم چاہتے ہو۔ اللہ کی طرف سے نصرت اور عنقریب حاصل ہونے والی فتح ۲۵ ۔ اور (اے نبی!) مؤمنوں کو اس کی بشارت دے دو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُونُوٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ اَنْصَارِيٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ اَنْصَارُ
اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ
فَاَيَّدْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوا ظٰهِرِينَ ﴿۱۴﴾

۱۴ اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو ۲۶ ، جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کون ہیں اللہ کی راہ میں میرے مددگار؟ حواریوں نے جواب دیا تھا ہم ہیں اللہ کے مددگار ۲۷ ۔ تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے کفر کیا ۲۸ ۔ تو ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی اور وہ غالب ہوگئے۔ ۲۹ ۔

۱۵؎ اس کی تشریح سورۂ توبہ نوٹ ۶۴؎ میں گذر چکی۔

۱۶؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ توبہ نوٹ ۶۵؎ اور سورۂ فتح نوٹ ۵۸؎۔

۱۷؎ انسان تجارت اس لئے کرتا ہے، تاکہ نفع کمائے مگر یہ نفع عارضی ہوتا ہے جو دنیا ہی تک محدود ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ سودا جو اللہ سے کیا جاتا ہے اور جس میں اپنا قیمتی سرمایا جان اور مال لگایا جاتا ہے اور جس کے لئے محنت شاقہ کی جاتی ہے، حقیقی اور ابدی نفع کا سودا ہے۔ اس کا اولین فائدہ یہ ہے کہ سودا کرنے والا اللہ کے عذاب سے جو نہایت ہی دردناک ہوگا بچ جائے گا اور اسے ابدی کامیابی حاصل ہوگی جو آگے بیان کی گئی ہے۔

اس موقع پر سورۂ توبہ آیت ۱۱۱ اور تشریح نوٹ ۱۹۹؎ بھی پیش نظر رہے۔

یہ آیت ذہن کو اس بات پر مرتکز کرتی ہے کہ انسان کی زندگی کا اصل مسئلہ اُخروی نجات کا مسئلہ ہے اور اس کا سامان انسان کو اس دنیا میں کرنا چاہیئے۔ یہ فکر انسان پر جب تک حاوی نہیں ہوگی وہ دنیوی مسائل ہی میں الجھتا رہے گا اور کامیابی اور ناکامی کے لئے غلط معیار قائم کرے گا۔

۱۸؎ ایمان والوں کو خطاب کر کے ایمان رکھنے کی یہ ہدایت اس معنی میں ہے کہ اپنے آپ کو مخلص مؤمن بناؤ اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو۔

۱۹؎ جہاد ایمان کا اہم ترین تقاضا ہے۔ دین کی حفاظت اور اس کی سربلندی کے لئے جب بھی سر دھڑ کی بازی لگانے کی ضرورت پیش آجائے، اہل ایمان جانی اور مالی قربانیاں دیں اور اس وقت کے حالات میں تو جہاد ناگزیز ہو گیا تھا اور مسجد حرام کو مشرکوں کے تسلط سے آزاد کرانا سب سے بڑی مہم تھی۔ نیز یہ جہاد اللہ کے رسول کی قیادت میں کیا جارہا تھا اس لئے اس کی اہمیت غیر معمولی تھی۔

۲۰؎ یعنی اس کا جو بہترین صلہ ملنے والا ہے اس پر اگر تمہاری نگاہ ہے تو تم اس کو اپنے حق میں بہتر ہی خیال کرو گے۔

۲۱؎ گناہوں کی بخشش بہت بڑا صلہ ہے۔ اگر کسی ایک گناہ پر بھی اللہ تعالیٰ گرفت فرمائے تو انسان کا کیا حال ہوگا، مگر جو لوگ اللہ کی راہ میں قربانیاں دیتے ہیں ان کی ان قربانیوں کی قدر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔

۲۲؎ یعنی پاکیزہ اور بہترین مکان جن کے سامنے دنیا کے مکان ہیچ ہیں۔

کیسے نادان ہیں وہ لوگ جو اپنی دنیا بنانے کے لئے تو ''روٹی، کپڑا اور مکان'' کا نعرہ لگاتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں لیکن جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لئے انہیں کوئی فکر دامن گیر نہیں ہوتی کہ یہ چیزیں وہاں کس طرح حاصل ہوں گی۔ اگر وہ اس مسئلہ پر غور کرتے تو دنیا ہی کو سب کچھ نہ سمجھتے۔

۲۳؎ یعنی مکان بھی ابدی، باغ بھی ابدی اور مکین بھی ابدی۔

۲۴؎ یعنی یہ ہے اس تجارت کا اصل نفع کہ مستقبل روشن اور بہترین نعمتوں کے ساتھ حیاتِ جاودانی۔ کتنی بڑی اور کیسی شاندار ہے یہ کامیابی۔

۲۵؎ یعنی اس اخروی کامیابی کے علاوہ وہ چیزیں بھی ملیں گی جو تمہیں محبوب ہیں یعنی اللہ کی نصرت اور جلد حاصل ہونے والی فتح۔ فتح قریب سے اشارہ ہے فتحِ مکہ کی طرف جس کو جلد حاصل کرنے کے لئے اہل ایمان بے چین تھے۔ اس موقع پر ان مجاہدین کو نصرت الٰہی کے ظہور کے ساتھ یہ خوشخبری بھی سنائی گئی کہ مکہ عنقریب فتح ہوگا۔ چنانچہ اس سورہ کے نزول کے بعد بہت جلد مکہ فتح ہوا اور قرآن اور پیغمبر کی صداقت ایسی ثابت ہوگئی کہ اسلام کے کٹر مخالف بھی اس کے قائل ہوگئے۔

۲۶؎ اللہ کے مددگار بننے سے مراد اللہ کے دین کے مددگار بننا ہے۔ ظاہر ہے اللہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے لیکن وہ ان لوگوں کو جو اس کے دین کی مدد کرتے ہیں اور خاص طور سے صبر آزما حالات میں مدد کرتے ہیں انصار اللہ (اللہ کے مددگار) کا اعزاز عطاء فرماتا ہے، تاکہ ان کی قدر افزائی اور حوصلہ

افزائی ہو اور ان میں اللہ کی خاطر کام کرنے کا جذبہ ابھرے۔

۲۷۔ حواری کے معنی مخلص اور بے لوث رفیق کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی رسالت اور دین کی صحیح دعوت کو پیش کرنا جان جوکھوں میں ڈالے بغیر ممکن نہیں ہے، تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ کون ہے جو ان حالات میں میری حمایت پر کمر بستہ ہوتا ہے اور اللہ کے دین کی بے لاگ تبلیغ کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے مددگار اور اس مہم کو سر کرنے کیلئے پابہ رکاب۔ یہ جواب عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں نے دیا تھا جو حواری کہلائے۔ یہاں اس واقعہ کو بیان کرنے سے مقصود نبی ﷺ کے پیروؤں کو آپ کی حمایت و نصرت اور دین کی دعوت و تبلیغ پر ابھارنا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تلوار سے سے جہاد کرنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن جن حالات سے آپ کو سابقہ تھا ان میں دین کو اپنی اصل اسپرٹ میں پیش کرنا، ظاہرداری اور رسمی دینداری کے بجائے حقیقی دینداری کی طرف دعوت دینا اور اللہ کے پیغام کو عام کرنا بھی جہاد سے کم نہ تھا۔

آج کے حالات میں بھی دین کی دعوت اور اس کی اشاعت کا کام بے لاگ طور پر اور صحیح ڈھنگ سے انجام دینا، مشرکانہ ماحول میں توحید کو نکھار کر پیش کرنا، بدعات و خرافات نے دین پر جو تہیں جما دی ہیں ان کو کھرچ کر نکالنا تا کہ اسلام اپنی اصل شکل میں سامنے آئے، باطل افکار کو رد کرتے ہوئے اسلامی فکر کو نمایاں کرنا، غیر اسلامی قوانین کی جگہ شرعی قوانین کی حمایت و حفاظت کرنا اور ایسی کوششیں کرنا جو دین کی سربلندی کا باعث ہوں اللہ کے دین کی بہت بڑی نصرت اور بہت بڑا جہاد ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (عنکبوت:۶۹)

''جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیں گے۔''

۲۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور ان کے حواریوں کی تبلیغ کے نتیجہ میں بنی اسرائیل کا ایک گروہ حضرت عیسیٰ کی رسالت پر ایمان لے آیا جو مسلم تھا، لیکن بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو نصاریٰ کہلائے۔ رہا دوسرا گروہ تو اس نے حضرت عیسیٰ کی رسالت اور انجیل کو کتاب الٰہی تسلیم کرنے سے انکار کیا اس لئے وہ کافر قرار پایا۔ یہ یہود کا گروہ ہے۔

واضح رہے کہ اللہ کے کسی بھی رسول اور کسی بھی کتاب کو تسلیم کرنے سے انکار کی بنا پر آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ دوسری باتوں پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہو اور کسی ایسے مذہب سے وابستہ ہو جو کسی رسول کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔

۲۹۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے بالآخر غالب آ گئے۔ جہاں تک حجت کے غلبہ کا تعلق ہے وہ تو انہیں پہلے ہی سے حاصل تھا اس لئے یہاں جس غلبہ کا ذکر ہوا ہے وہ اقتدار ہی کا غلبہ ہو سکتا ہے۔ اور ظاہرین کا لفظ قرآن میں دوسرے مقام پر اقتدار کے غلبہ ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فرعون کے دربار میں مردِ مومن نے کہا تھا:

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا۔ (مومن:۲۹)

''اے میری قوم کے لوگو! آج تمہیں حکومت حاصل ہے اور تم اس سرزمین میں غالب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہے جو ہماری مدد کرے گا؟''

اس موقع پر سورۂ توبہ نوٹ ۶۵ بھی پیش نظر رہے۔

اس آیت کا مدعا اصلاً یہ واضح کرنا ہے کہ جس طرح اللہ کے رسول عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لانے والے غالب ہو کر رہے اسی طرح پیغمبرِ قرآن پر

ایمان لانے والے بھی غالب ہو کر رہیں گے اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

قرآن میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو یہ بشارت دی تھی کہ:

وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ (آل عمران:۵۵)

''جن لوگوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ان کو ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا قیامت تک غالب رکھنے والا ہوں۔''

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس کے اوراق زیادہ واضح نہیں ہیں، تاہم یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لئے جانے کے بعد ان کے پیرو مخالفت کے طوفان سے گزرتے ہوئے یہود پر جنہوں نے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا غالب آتے چلے گئے۔ ان کی دعوت پھیلتی رہی اور رومی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں ان کے دعوتی، مراکز قائم ہوئے۔ یہودیت سکڑتی رہی یہاں تک کہ ۷۰ء میں (Titus) نے بیت المقدس پر حملہ کر کے یہود کو تتر بتر کر دیا اور پھر یہود کا زور ایسا ٹوٹا کہ وہ پیروان عیسیٰ کے آگے بے بس ہو کر رہ گئے۔ ادھر حضرت عیسیٰ کے پیروں کی تعداد بڑھتی رہی اور ٹیٹس رومی کے حملہ کے بعد رومیوں نے حضرت مسیح کا دین قبول کرنا شروع کیا اور حضرت مسیح کے متبعین کو غلبہ حاصل ہوتا چلا گیا چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''پھر رومی مسیح علیہ السلام کے دین کو قبول کرنے اور اس کی تعظیم کرنے لگے۔ پھر رومی بادشاہوں کا حال مختلف رہا۔ وہ کبھی نصاریٰ کے دین کو قبول کرتے اور کبھی چھوڑ دیتے یہاں تک کہ قسطنطین آ گیا۔'' (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۵۵)

۳۱۲ء میں جب رومی بادشاہ قسطنطین برسر اقتدار آیا تو وہ مسیحیت کا حامی بن گیا اور پیروان عیسیٰ کو اقتدار کا ایسا غلبہ ہوا کہ آج تک یہودیت کے مقابلہ میں مسیحیت کا غلبہ چلا آ رہا ہے۔

مسیحیت کی تاریخ کے لئے دیکھئے: (Interpreters One Volume Commentary on Bible p. 1051)

سورۂ الجمعہ

۶۲۔ الجُمعہ

نام آیت ۹ میں جمعہ کی نماز کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام **اَلْجُمُعَة** ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور ہجرت کے کچھ عرصہ بعد ہی نازل ہوئی ہے۔جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے جو اخیر میں جمعہ کے تعلق سے بیان ہوا ہے۔

رہی ابوہریرہ کی روایت جو بخاری وغیرہ میں بیان ہوئی ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں۔اور حضرت ابوہریرہ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے تھے۔تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راویوں نے الفاظ ٹھیک سے یاد نہیں رکھے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے غالباً یہ فرمایا ہوگا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔لیکن راویوں نے اس بات کو آیتوں کے نازل ہونے پر محمول کیا۔ورنہ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ جب صحابہ کی تعداد کثیر ہوگئی تھی تو ان کی موجودگی میں جمعہ کا وہ واقعہ پیش آیا ہوگا جس کی طرف اس سورہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مرکزی مضمون اللہ کے اس فضل کو محسوس کرانا ہے کہ اس نے کس شان کا رسول برپا کیا ہے۔اور وہ کیسی بہترین تعلیم و تربیت دے رہا ہے۔اس کی قدر پہچانو اور اس کی تعلیمات پر عمل کرو، تو تمہاری زندگیاں سنور جائیں گی اور ابدی کامیابی تمہیں حاصل ہوگی۔

نظمِ کلام آیت ۱ تمہیدی آیت ہے، جس میں اللہ کی تسبیح کے ساتھ اس کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

آیت ۲ تا ۴ میں اللہ کے اس عظیم فضل کا بیان ہے کہ امیوں میں کس شان کا رسول برپا کیا گیا ہے۔

آیت ۵ تا ۸ میں یہود کی بے عملی اور غلط دعووں پر گرفت کی گئی ہے۔

آیت ۹ تا ۱۱ میں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔اوپر یہود کے جس طرزِ عمل کا ذکر ہوا ہے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ انہوں نے سبت کے احکام کی جس طرح خلاف ورزی کی، اس طرح مسلمان جمعہ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں۔

حدیث حدیث میں آتا ہے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی ابواب الجمعہ)

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ

۶۲۔ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ

آیات:۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ
الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

۱ اللہ کی تسبیح کرتی ہیں ساری چیزیں جو آسمانوں اورزمین میں ہیں۔ وہ بادشاہ، قدوس (پاک)، غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ ۱؎

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ②

۲ اسی نے اُمّیوں ۲؎ میں ایک رسول ان ہی میں سے اٹھایا جو، ان کو اس کی آیتیں سناتا ہے، ان کا تزکیہ (ان کو پاک) کرتا ہے اوران کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۳؎۔ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ ۴؎

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③

۳ اور (اس کی بعثت) ان (امیوں) میں سے ان دوسرے لوگوں کے لئے بھی ہے جو ابھی ان سے ملے نہیں ہیں ۵؎۔ اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

۴ یہ اللہ کا فضل ہے جس سے نوازتا ہے وہ، جسے چاہتا ہے ۶؎۔ اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ
اَسْفَارًا ۗ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤

۵ ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بار ڈالا گیا تھا مگر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا، اس گدھے کی سی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو ۷؎۔ بہت بری مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا ۸؎۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ
النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑥

۶ کہو اے وہ لوگو جو یہودی بن گئے ہو ۹؎۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ دوسروں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ ۱۰؎

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ⑦

۷ لیکن وہ ہرگز اس کی تمنا نہ کریں گے، ان کرتوتوں کی وجہ سے جو وہ کر چکے ہیں ۱۱؎۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

۱۔ ان صفات کی تشریح سورۂ حشر میں گذر چکی۔اس تمہیدی آیت میں اللہ کی ان صفات کا ذکر اس مناسبت سے ہوا ہے کہ رسول کو بھیجنے والی ہستی کی صحیح معرفت حاصل ہوجائے اور لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ رسول فرمانروائے کائنات کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہے۔لہٰذا اس پر ایمان لانا بندگانِ خدا کے لئے لازم، واجب اور فرض ہے۔ وہ قدوس ہے اس لئے اس کے تمام فیصلے خطا سے پاک ہوتے ہیں۔لہٰذا جس شخص کو اس نے رسالت کے لئے چن لیا ہے وہ اس منصب کے لئے موزوں ترین شخصیت ہے اور اس کا فیصلہ بالکل صحیح اور حکیمانہ ہے۔

۲۔ لفظ اُمّی کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران نوٹ ۲۹۔ سورۂ اعراف نوٹ ۲۲۴۔ اور سورۂ عنکبوت نوٹ ۹۱۔

۳۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱۴۹۔

۴۔ یعنی اس رسول کے آنے سے پہلے یہ عرب جو اُمّی یعنی ان پڑھ واقع ہوئے ہیں اور جن کے پاس کتاب الٰہی موجود نہیں تھی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ احسان فرمایا کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لئے اٹھایا۔جو دعائے ابراہیم اور نویدِ مسیح کا مظہر ہے اور جس کی شان یہ ہے کہ وہ ناخواندہ ہونے کے باوجود آیاتِ الٰہی کو، جو اس پر نازل ہوئی ہیں پڑھ کر سناتا ہے۔جس سے دلوں میں ایمان کا نور پیدا ہوجاتا ہے۔ان امیوں کی ایسی تربیت کرتا ہے کہ ان کی زندگیاں سنور جاتی ہیں اور بہترین اوصاف ان کے اندر پیدا ہوجاتے ہیں۔کتاب الٰہی کی ایسی تعلیم دیتا ہے کہ وہ اس کے حامل بن جاتے ہیں اور حکمت کے موتی ایسے بکھیرتا ہے کہ ان کے دامن ان کو سمیٹتے ہوئے بھر جاتے ہیں۔اس لئے اس رسول کی رسالت شبہ سے بالاتر ہے اور اس کی بعثت اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، جس کی ناقدری بہت بڑی محرومی کا باعث ہے۔

۵۔ یہ اس بات کی خوشخبری ہے کہ پیروانِ رسول کا حلقہ وسیع تر ہوتا چلا جائے گا اور اس میں دوسرے عرب قبائل بھی شامل ہوجائیں گے۔قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور نبی ﷺ کی زندگی ہی میں عرب کے تمام قبیلے مسلمان ہوگئے۔

واضح رہے کہ نبی ﷺ کی بعثت اگرچہ عرب کے امیوں میں ہوئی تھی لیکن جیسا کہ قرآن صراحت کرتا ہے آپ کی بعثت صرف عربوں کے لئے نہیں تھی بلکہ عرب و عجم، امی اور اہل کتاب سب کے لئے ہے اور کسی ایک دور کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک تمام ادوار کے لئے ہے۔

۶۔ اُمّی عربوں پر یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ اس نے ان کے اندر ایسی شان کا رسول برپا کیا۔اس آیت کا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ یہود کو یہ بات کسی طرح گوارا نہیں کہ رسول کی بعثت بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور قوم میں ہو۔لیکن رسالت کا منصب ان کی تمناؤں پر موقوف نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے اس سے نوازے۔اس پر اعتراض کا کسی کو کیا حق؟

۷۔ سِفر (جمع اسفار) کے معنی عربی اور عبرانی دونوں میں کتاب کے ہیں۔یہود کی مذہبی زبان عبرانی ہے اور تورات کے لئے ان کے یہاں اسفار کا لفظ معروف تھا اس لئے یہود کو اپنی آسمانی کتابوں کی طرف متوجہ کرنے کے لئے یہ لفظ زیادہ موزوں ہوا۔

یہود کی جہالت اور بے عملی کو جو تورات کا حامل ہونے کے باوجود ان کے اندر پائی جاتی تھی گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں اور وہ نہیں جانتا کہ وہ کوئی قیمتی چیز اٹھائے ہوئے ہے ایسے ہی نادان یہود ہیں کہ تورات جیسی کتابِ الٰہی کی قدر و قیمت انہوں نے نہیں پہچانی ۔۔۔۔اگر اس کی قدر پہچانتے تو آج قرآن کی بھی قدر کرتے کہ دونوں کا نازل کرنے والا اللہ ہی ہے۔

یہاں جو مثال دی گئی ہے وہ بہت بلیغ ہے اور ان مسلمانوں پر بھی چسپاں ہوتی ہے جن کو قرآن جیسی نعمت ملی ہے لیکن انہوں نے اس کی قدر نہیں پہچانی۔نہ انہوں نے اس کا علم حاصل کیا اور نہ اس کی ہدایتوں پر عمل کیا۔

۸۔ یہود کی اس نادانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آج قرآن کو جو اللہ ہی کی کتاب ہے جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

۹۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بنی اسرائیل کو جو دین عطا ہوا تھا وہ اسلام ہی تھا لیکن بعد میں انہوں نے اس میں ردو بدل کر کے اپنے کو مسلم کہلانے کے بجائے یہودی کہلانا پسند کیا۔

۱۰۔ یہود کا دعویٰ تھا کہ وہی بلا شرکت غیرے اللہ کے محبوب ہیں مگر اس دعوے کی قلعی اس وقت کھل گئی جب قرآن نے ان سے کہا کہ پھر موت کی تمنا کرو! کیونکہ جو اللہ کے محبوب ہیں ان کے لئے جنت ہے اور جب تمہیں اپنے جنتی ہونے کا یقین ہے تو پھر تمہیں آخرت کا طلبگار رہنا چاہیئے نہ کہ دنیا کا حریص، مگر تم تو دنیا میں زیادہ سے زیادہ جینا چاہتے ہو۔

(سورۂ بقرہ آیت ۹۶) اور بزدلی تو تمہارا شیوہ بن گئی ہے۔ تمہارا یہ رویہ تمہارے دعوے کی خود ہی تردید کر رہا ہے۔

۱۱۔ یعنی ان کی زندگیاں گناہوں سے لت پت ہیں اس لئے باوجود ان کے اس دعوے کے کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں ان کے دل میں یہ کھٹک ضرور ہے کہ ہم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کہیں پکڑ نہ لئے جائیں، اس لئے وہ آخرت کے بالمقابل دنیا ہی کو پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہیں وہ چین کی بانسری بجاتے رہیں۔

قرآن کے اس چیلنج کو کہ وہ موت کی تمنا کریں یہود نے قبول نہیں کیا جس سے ان کے دعوے کی تردید بھی ہوئی اور قرآن کی صداقت بھی روشن ہوئی۔

اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لئے
پکارا جائے، (اذان دی جائے) تو اللہ کے ذکر کی
طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے
لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز ختم ہوجائے تو
زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اور اللہ
کا ذکر کثرت سے کروتا کہ تم فلاح پاؤ۔ (القرآن)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ
اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ ع

[8] (ان سے) کہو جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں آ کر رہے گی ۱۲؎۔ پھر تم اس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے، جو غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے۔ وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ
فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾

[9] اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لئے پکارا جائے، (اذان دی جائے) تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ و اور خرید و فروخت چھوڑ دو ۱۳؎۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ ۱۴؎

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ
اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾

[10] پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو ۱۵؎۔ اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ ۱۶؎

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِۨانْفَضُّوْۤا اِلَیْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآىِٕمًا ؕ
قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ
خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱﴾ ع

[11] یہ لوگ جب تجارت یا لَہو چیز دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑتے ہیں اور (اے نبی!) تم کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں ۱۷؎۔ کہو جو اللہ کے پاس ہے وہ لَہو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رازق ہے۔ ۱۸؎

۱۲؎ یعنی موت سے کسی صورت میں بھی مفر نہیں۔ لامحالہ اس سے تمہیں دو چار ہونا ہے، پھر تم موت کے ڈر سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے کیوں گریز کرتے ہو۔

۱۳؎ اوپر یہود کے کردار پر گرفت کی گئی تھی، اب اہل ایمان کو خطاب کر کے ان پر جمعہ کی نماز کی اہمیت و فرضیت واضح کی گئی ہے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہود کو سبت (سنیچر کا دن) منانے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی، اب مسلمانوں کو آسان شریعت دی جارہی ہے اور ان پر جمعہ کے دن صرف نماز جمعہ کی پابندی ہے، اس تخفیف کی قدر کرتے ہوئے وہ اس کی تعمیل مستعدی کے ساتھ کریں اور یہود کا سا طرزِ عمل اختیار نہ کریں۔ اس موقع پر سورۂ نمل نوٹ ۱۸۴؎ بھی پیش نظر رہے جس میں سبت اور جمعہ کے تعلق سے حدیث نقل کی گئی ہے۔

جمعہ کی نماز کا آغاز صحیح روایت کے مطابق مدینہ میں اس وقت ہوا جب کہ نبی ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ اور قبا میں قیام کرنے کے بعد جب شہر کی طرف جارہے تھے تو قبیلہ بنی سالم کی آبادی سے جمعہ کے دن گزر ہوا اور آپ نے وہیں جمعہ ادا فرمایا۔ یہ پہلا جمعہ تھا۔ اور جہاں تک اس سورہ کا تعلق ہے اس کے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی جب کہ وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر آگے ہوا ہے۔

قرآن کی یہ آیتیں نماز کی تاکید کے طور پر نازل ہوئی ہیں جس کو نبی ﷺ پہلے ہی قائم فرما چکے تھے۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوتی ہے کہ شریعت کے احکام صرف وہی نہیں ہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو نبی ﷺ نے دئے ہیں اور آپ کے احکام معلوم کرنے کا ذریعہ آپ کی سنت اور احادیث صحیحہ ہیں۔

جمعہ ظہر کا نعم البدل ہے اور اس کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے۔ نبی ﷺ جب سورج ڈھلنے لگتا تو منبر پر تشریف لاتے، اس کے بعد اذان کہی جاتی اور جمعہ کے لئے یہی ایک اذان آپ کے زمانہ میں دی جاتی تھی۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے، خطبے دو ہوتے جن کے درمیان آپ تھوڑی دیر بیٹھ جایا کرتے، خطبہ میں حاضرین کو خطاب کر کے اللہ کی حمد و ثناء، قرآن کی تلاوت اور موعظت کی باتیں پیش کی جاتیں۔ پھر آپ جمعہ کی فرض نماز دو رکعت جماعت کے ساتھ ادا فرماتے۔

جمعہ کی نماز جماعت کی صورت ہی میں ادا کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے تعداد کی کوئی شرط نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ حدیث سے۔ اسی طرح شہر کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ دیہاتوں میں بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ البتہ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ لوگ ایک ہی جگہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع ہوں۔ روایات میں آتا ہے کہ اطرافِ مدینہ کے لوگ جمعہ کے لئے مسجدِ نبوی میں حاضر ہونے کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

جمعہ کا نظم قائم کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جمعہ اس کے بغیر ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا نظم قائم کریں۔ جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے البتہ جیسا کہ حدیث سے واضح ہے عورتیں، مریض، مسافر اس سے مستثنیٰ ہیں لیکن اگر ان میں سے کوئی جمعہ کی نماز میں شریک ہوجائے تو وہ ادا ہوجائے گی اور پھر اسے ظہر کی نماز ادا کرنا نہیں ہوگی۔

جمعہ کے لئے غسل کرنے، دانت صاف کرنے، اچھے کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے کا حکم نبی ﷺ نے دیا ہے۔ یہ اہتمام جمعہ کی شان کے اظہار کے لئے بھی ہے اور اس لئے بھی کہ جمعہ کا اجتماع صاف ستھرے اور خوشگوار ماحول میں ہو نیز افراد میں نظافت کا احساس پیدا کرنے کے لئے بھی۔

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ جب جمعہ کی نماز کیلئے اذان دی جائے تو خرید و فروخت چھوڑ کر نماز کیلئے دوڑیں۔ چونکہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک ہی اذان دی جاتی تھی، اسلئے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد دی جاتی ہے۔ اس اذان کے وقت سے نماز ختم ہونے تک خرید و فروخت ممنوع ہے۔ اور ممانعت کے اس حکم میں ہر قسم کا کاروبار اور مشغولیت شامل ہے، الا یہ کہ کوئی ایسی مجبوری پیش آجائے جو شریعت کی نگاہ

میں عذر قرار پاتی ہو مثلاً کسی حادثہ سے دوچار ہو جانا، ڈاکٹر کیلئے مریض کا آپریشن، اگر اسے مؤخر نہ کیا جا سکتا ہو وغیرہ۔ مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنے ملازمین وغیرہ کو جمعہ کی نماز کے لئے رخصت دیں اور اگر حکومت غیر اسلامی ہے، تو اس سے اس رخصت کا مطالبہ کریں۔ بہر صورت مسلمان ملازمین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جمعہ کی نماز لازماً ادا کریں۔

آیت میں ذکر سے مراد نماز بھی ہے اور خطبہ بھی جو جمعہ کی نماز سے پہلے دیا جاتا ہے۔ اس سے خطبہ کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کا ذکر اور عبادت ہے۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ خطبہ سامعین سے خطاب ہے، اس لئے ان سے خطاب کرتے ہوئے وہ باتیں سامنے لائی جانی چاہئیں جو اللہ کی یاد تازہ کرنے والی ہوں اور اپنے اندر تذکیر اور فہمائش کا پہلو رکھتی ہوں۔ اور جب یہ خطاب ہے تو اس کا مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جبکہ خطبہ عربی کے ساتھ سامعین کی زبان میں بھی دیا جائے۔

فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ (اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو) کا مطلب ہے نماز کے لئے مستعدی دکھاؤ اور اس کی طرف لپکو۔ حدیث میں کسی بھی نماز کے لئے سکون اور وقار کے ساتھ آنے کی ہدایت کی گئی ہے

۱۴۔ یعنی کاروبار چھوڑ کر جانا بظاہر نقصان کی صورت ہے مگر خیر و برکت اسی میں ہے اور ابدی کامیابی اللہ کی اطاعت و عبادت ہی کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے۔

۱۵۔ یعنی نماز ختم ہو جانے پر خرید و فروخت کی پابندی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد تم اپنے معاش کے لئے دوڑ دھوپ کر سکتے ہو اور تمہاری یہ معاشی جدوجہد اللہ کے فضل کی تلاش میں ہونا چاہئے جس سے شکر کا جذبہ ابھرتا ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ جمعہ کے احکام سبت کے احکام کی طرح سخت نہیں ہیں کہ کاروباری مصروفیت پورے دن کے لئے ممنوع ہو، بلکہ صرف اتنے وقت کے لئے اس کی ممانعت کر دی گئی ہے جو خطبہ سننے اور نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اس تخفیف اور آسانی کے بعد بھی اگر مسلمان جمعہ کی پابندی کو اپنے لئے گراں خیال کریں تو یہ بڑی ناقدری ہوگی۔

۱۶۔ یعنی یہ نہ سمجھو کہ اللہ کو مسجد میں یاد کر لیا اور نماز ادا کی تو کافی ہو گیا۔ اللہ کو ہر وقت یاد رکھنا ضروری ہے اس لئے زبان سے اس کا ذکر تسبیح اور حمد کے کلمات کی صورت میں بہ کثرت ہونا چاہئے۔ چلتے پھرتے اور بازار میں لین دین کی مصروفیت کے دوران بھی، اس سے تمہیں ابدی کامیابی حاصل ہو سکے گی۔

۱۷۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اس سورہ کے نزول کے وقت پیش آیا تھا۔ جمعہ کے دن نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ شام سے ایک قافلہ غلہ لے کر مدینہ کے بازار میں آیا اور ڈھول بجانے لگا۔ غلہ کی چونکہ اس وقت شدید قلت تھی اس لئے جو لوگ خطبہ سن رہے تھے ان کی ایک تعداد یہ خیال کر کے غلہ خریدنے کے لئے چلی گئی کہ وہ اس سے فارغ ہو کر نماز میں شریک ہو جائیں گے۔ اس وقت تک جمعہ کے خطبہ کی اہمیت لوگوں پر پوری طرح واضح نہیں ہو سکی تھی۔ تاہم جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر جانا غلط تھا اور اس میں نبی ﷺ کے تعلق سے سوئے ادب کا پہلو بھی تھا، اس لئے اس غلطی پر سخت تنبیہ کی گئی۔ یہ واقعہ بخاری کتاب الجمعہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہے۔

واضح رہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب کہ جمعہ کا سلسلہ ابھی ابھی شروع ہوا تھا اور اس کی اہمیت لوگوں پر پوری طرح واضح نہیں ہو سکی تھی۔ بعد میں کبھی یہ صورت پیش نہیں آئی اور تربیتی مراحل سے گزرنے کے بعد صحابہ کرام کی شان وہ تھی جو قرآن میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِیۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ۔ (نور: ۳۷)

''ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔''

آیت میں ڈھول کو **لھو** سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے گانے بجانے اور اس کے آلات کی قباحت واضح ہو جاتی ہے۔ لھو کے معنی غافل کر دینے والی چیز کے ہیں اور شرعاً وہ تمام چیزیں جو اللہ سے غافل کر دینے والی ہیں لہو ہیں۔ گانا، بجانا، آلاتِ طرب اور شطرنج اور کیرم جیسے کھیل لہو کی تعریف میں آتے ہیں۔ یہ چیزیں اپنی طرف اس طرح متوجہ کرتی ہیں کہ آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔

۱۸۔ یعنی جمعہ کے فریضہ کی ادائیگی کو اگر تم اپنے معاش کے حصول پر مقدم رکھو تو تمہاری یہ قربانی رائیگاں جانے والی نہیں، بلکہ اس کا بہترین اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا۔ رہا دنیا کا رزق تو تمہیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے کہ حقیقی رازق وہی ہے اور اس کی اطاعت کی صورت میں وہ تم کو بہترین رزق دے گا۔ بہترین رزق وہ ہے جو اگرچہ مقدار میں کم ہو لیکن خیر و برکت کا باعث ہو۔

سورۂ
المنافقون

۶۳۔ المنافِقون

نام سورہ کا آغاز منافقون کے جھوٹے اقرار سے ہوا ہے۔اور آگے ان کی اسلام دشمنی کو بھی واضح کیا گیا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "المنافقون" ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی، جب نبی ﷺ غزوہ بنی المصطلق سنہ ۶ھ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لائے تھے۔

مرکزی مضمون منافقت کے پردہ کو چاک کرنا،اصل مرض کی تشخیص کرنا اور اس کا علاج تجویز کرنا۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۸ تک منافقوں کے اس رویہ کا بیان ہے، جو انہوں نے اسلام دشمنی میں اختیار کر رکھا تھا۔اور جس کی بنا پر وہ نا قابلِ معافی جرم کے مرتکب قرار پائے۔

آیت ۹ تا ۱۱ میں اہلِ ایمان کو خطاب کر کے اللہ کے ذکر اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔جس سے منافقت کے مرض کی بھی نشاندہی ہوتی ہے اور اس کو دور کرنے کی تدابیر بھی واضح ہو جاتی ہیں۔

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ﴿۱﴾

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ
سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ
خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ
قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ
وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾

۶۳-سورۃُ المُنَافِقُوْنَ

آیات:۱۱

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ جب منافق تمہارے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بلاشبہ تم اس کے رسول ہو۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں۔ ۱؎

۲ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے ۲؎۔ اور یہ اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں ۳؎۔ بہت بُرا ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

۳ یہ اس لئے ہوا کہ یہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ اب یہ کچھ نہیں سمجھتے۔ ۴؎

۴ انہیں جب تم دیکھو تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں۔ اور جب وہ بات کریں تو تم ان کی باتیں سننے لگو۔ مگر وہ گویا لکڑی کے کندے ہیں جنہیں ٹیک لگا دی گئی ہو ۵؎۔ وہ ہر چونکا دینے والی آواز کو اپنے ہی اوپر خیال کرتے ہیں ۶؎۔ یہ اصل دشمن ہیں۔ ان سے بچ کر رہو ۷؎ اللہ ان کو غارت کرے ۸؎۔ یہ کدھر بہکائے جا رہے ہیں۔ ۹؎

۵ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرے، تو وہ اپنے سر مٹکاتے ہیں۔ اور تم دیکھتے ہو کہ وہ تکبر کے ساتھ کترا کر نکل جاتے ہیں۔ ۱۰؎

۶ ان کے لئے یکساں ہے خواہ تم ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو۔ اللہ ان کو ہرگز معاف کرنے والا نہیں۔ ۱۱؎ اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ۱۲؎

۱۔ منافق زبان سے نبی ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے تھے، لیکن دل سے نہیں مانتے تھے۔ اور ایمان کے لئے محض زبانی اقرار کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ دل کی تصدیق ضروری ہے۔ اگر آدمی کلمہ گو ہے لیکن اس کا دل ایمان سے خالی ہے تو ایسا ایمان اللہ کے ہاں معتبر نہیں۔ وہ مسلمان نہیں بلکہ منافق ہے۔ کیونکہ اس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ، اسی لئے وہ اپنی شہادت میں جھوٹا ہے۔ حالانکہ جس بات کی وہ شہادت دے رہا ہے یعنی نبی ﷺ کی رسالت وہ اپنی جگہ ایک حقیقتِ واقعہ ہے۔

مدینہ میں جن اندرونی دشمنوں سے نبی ﷺ کو واسطہ تھا وہ یہی منافق تھے جو قبیلہ خزرج وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہود سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ان کی شہ پر یہ مسلمانوں میں کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کر دیتے تھے۔ اس لئے قرآن نے ان پر متعدد سورتوں میں گرفت فرمائی ہے۔ اور اس سورہ میں تو خاص ان ہی کو موضوع بنایا گیا ہے تا کہ اسلامی سوسائٹی میں یہ عنصر پنپنے نہ پائے۔

۲۔ یہاں شہادت (گواہی) کو قسم سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یمین (قسم) شہادت کے ہم معنی ہے۔ اور قرآن میں آسمان، زمین، اور ہواؤں وغیرہ کی جو قسمیں کھائی گئی ہیں وہ شہادت ہی کے معنی میں ہیں۔ یعنی یہ چیزیں توحید اور روزِ جزاء پر دلالت کرتی ہیں۔

منافق اپنے بچاؤ کے لئے بات بات پر جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے سچے ہونے کا یقین دلاتے تھے۔ اس طرح انہوں نے قسموں کو اپنے تحفظ کے لئے ڈھال بنا لیا تھا۔

۳۔ اللہ کی راہ سے رکنے کا مطلب اللہ کے دین یعنی اسلام سے رک جانا ہے۔ جھوٹی قسموں کا سہارا لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لیپا پوتی ہی کرتے رہے اور اسلام کی طرف بڑھ نہ سکے۔ اس کی راہ ان پر بند ہوگئی۔

۴۔ یعنی اسلام میں داخل ہونے کے بعد وہ کافر بنے رہے۔ ان کی اس ناقدری کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں قبولِ حق کی استعداد باقی نہیں رہی اور ذہنیت ایسی غلط ہوگئی کہ سیدھی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

دل پر مہر لگنے کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱۵۔

۵۔ یعنی ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ وہ بڑے ڈیل ڈول والے اور چرب زبان ہیں۔ طمطراق سے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ آدمی سنتا ہی رہ جائے لیکن اندر سے وہ بالکل کھوکھلے ہیں اور اس طرح ناکارہ ہیں جس طرح لکڑی کے کندے جو دیوار کے سہارے رکھ دئے گئے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے بالکل عاری ہیں اور مجلس نبوی میں آ کر کوئی فیض حاصل نہیں کرتے بلکہ دیوار سے ٹیک لگا کر اس طرح بیٹھتے ہیں جیسے دیوار سے لگے ہوئے لکڑی کے کندے جن میں سمجھ بوجھ نہیں ہوتی۔

۶۔ یہ ان کی بزدلی کی تصویر ہے کہ جب کبھی زوردار آواز سنائی دی یا متنبہ کرنے والی بات سامنے آئی انہوں نے اس کو اپنے خلاف سمجھا۔ یہ ان کے دل کا چور ہے جو انہیں اضطراب میں ڈال دیتا ہے۔

۷۔ یعنی یہ منافق درحقیقت اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، اس لئے ان سے اسی طرح ہوشیار رہنا چاہیئے جس طرح آدمی دشمن سے ہوشیار رہتا ہے۔

یہ نہ خیال کیا جائے کہ اسلام کے یہ دشمن اُس زمانہ ہی میں موجود تھے۔ نہیں بلکہ اِس زمانہ میں بھی بہ کثرت موجود ہیں اور وہ مسلم سوسائٹی میں رہتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک نہ ایک فتنہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ ان کی چالوں سے چوکنا رہنا بہت ضروری ہے۔

۸۔ یہ اللہ کی طرف سے ان پر پھٹکار ہے۔

۹۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ان کی نکیل شیطان کے ہاتھ میں ہے اور وہ بری طرح ان کو بھٹکا رہا ہے۔

۱۰۔ یعنی کہاں ان کا دعوئے ایمان اور کہاں ان کی یہ حرکت کہ جب ان کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، کہ جو کرتوت تم کر چکے اس کے لئے تم رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کے طالب بنو، تا کہ اللہ کا رسول تمہاری مغفرت کے لئے اللہ سے دعا کرے، تو یہ سر مٹکانے لگتے ہیں۔ گویا اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے اور ان کا گھمنڈ ان کو کسرِ نفسی سے روکتا ہے۔

۱۱۔ منافق چونکہ اصلاً کافر ہیں، اس لئے ان کے بارے میں اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اگرچہ اللہ کا رسول ان کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ ایک صورت ان کی مغفرت کی یہ ہو سکتی تھی کہ وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتے، لیکن چونکہ وہ اپنے نفاق (منافقت) میں کٹر ہیں جس کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے اس لئے انہیں توبہ کی بھی توفیق نصیب ہونے والی نہیں۔

قرآن سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ گناہ بخشنا اللہ ہی کا کام ہے اور کسی بھی نبی کو اس کا اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ اپنے پیرووں کے گناہ بخش دیں گے سراسر باطل ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ توبہ نوٹ ۱۴۷۔

۱۲۔ ہدایت ان ہی کو ملتی ہے جو اللہ کے آگے جھکنے اور اس کی فرمانبرداری قبول کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن جن کا غرورِ نفس انہیں اس سے روکتا ہو اور وہ نافرمان بن کر ہی رہنا چاہتے ہوں ان پر اللہ ہدایت کی راہ نہیں کھولتا۔

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد
تمہیں اللہ سے غافل نہ کردے۔ جو لوگ ایسا کریں
گے وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔(القرآن)

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى
يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ⑦

۷ یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم رسول کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تا کہ وہ منتشر ہو جائیں ۱۳؎۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے۔ مگر منافق سمجھتے نہیں ہیں۔ ۱۴؎

يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ
وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ ⑧

۸ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو وہاں سے نکال باہر کرے گا ۱۵؎۔ حالانکہ عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ لیکن یہ منافق نہیں جانتے۔ ۱۶؎

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨

۹ اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ سے غافل نہ کر دے ۱۷؎۔ جو لوگ ایسا کریں گے وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ
وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩

۱۰ اور جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو ۱۸؎، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے، اور وہ کہے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مہلت اور کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک بن جاتا۔ ۱۹؎

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪

۱۱ اللہ ہرگز کسی نفس کو مہلت دینے والا نہیں جبکہ اس کا مقررہ وقت آ جائے ۲۰؎۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

۱۳۔ مدینہ کے انصار نے مکہ کے مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی تھی اور ان پر بے دریغ خرچ کر رہے تھے۔ مہاجرین کی یہ مدد رسول ﷺ کے حامیوں کی مدد تھی، لیکن یہ بات منافقوں کو جو انصار ہی میں سے تھے قطعاً پسند نہیں تھی اور وہ چاہتے تھے کہ وہ لوگ نبی ﷺ کے پاس سے چھٹ جائیں۔ اس لئے وہ ان کی امداد و اعانت سے منع کرتے تھے۔

۱۴۔ یعنی رزق کسی کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، جو آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک ہے۔ وہ اگر مہاجرین کی مدد کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک نہ ایک ذریعہ پیدا کر دے گا۔ یہ منافقین اللہ کی مشیت کے خلاف کسی کا رزق روک نہیں سکتے، مگر اتنی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور جب وہ لکڑی کے کندے ہی ٹھہرے تو ان کی سمجھ میں کیا بات آ سکتی ہے!

۱۵۔ یہ بات منافقوں کے رئیس عبداللہ بن اُبی نے کہی تھی جب نبی ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ غزوۂ بنی المصطلق (۶ ھ) سے واپس لوٹ رہے تھے۔ اس موقع پر ایک مہاجر اور انصاری کے درمیان پانی کے مسئلہ پر جھگڑا ہوا، عبداللہ بن اُبی کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اس میں انصار کی ہتک سمجھی اور چڑ کر کہا تم ان مہاجرین کی مدد کرنا بند کر دو تا کہ یہ منتشر ہو جائیں نیز کہا مدینہ پہنچنے پر جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ اس کی نظر میں مہاجرین ذلیل تھے اور اس نے ایک ایسی بات زبان سے نکالی جو نبی ﷺ کی شان میں بھی گستاخی کا باعث تھی۔ یہ بات ایک نوعمر صحابی زید بن ارقم نے سن لی اور نبی ﷺ سے آ کر بیان کر دی۔ نبی ﷺ نے عبداللہ بن اُبی سے پوچھا تو اس نے انکار کیا کہ میں نے ایسی بات نہیں کہی جب آپ مدینہ پہنچ گئے تو یہ سورہ نازل ہوئی۔ آپ نے زید بن ارقم کو بلا کر فرمایا اللہ نے تم کو سچا قرار دیا۔ (بخاری کتاب التفسیر)

عبداللہ بن اُبی کی اس گستاخانہ اور مفسدانہ حرکت پر حضرت عمر انہیں قتل کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن نبی ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ آپ اس سے اور دوسرے منافقین سے برابر درگذر کرتے رہے۔ کیونکہ مسلمان ابھی اپنے خارجی دشمنوں، مشرکین اور یہود سے مقابلہ کر رہے تھے اور یہ بات قرین مصلحت نہیں تھی کہ اندرونی دشمنوں سے قتل وقتال کا معاملہ کیا جائے۔ لیکن غزوۂ تبوک کے بعد جب کہ پورے عرب پر اسلام کا تسلط قائم ہوا، تو منافقین کے خلاف سخت کاروائی کرنے کا حکم نازل ہوا چنانچہ سورۂ توبہ میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ (توبہ: ۷۳)

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی برتو۔''

لیکن اس زمانہ میں عبداللہ بن اُبی کا انتقال ہو چکا تھا۔ دوسرے منافقین جو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تھے ان کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا گیا۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد، جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے اور ان منافقین نے سر اٹھایا اور زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور کتنے ہی کھلم کھلا مرتد ہو گئے، (اسلام سے پھر گئے) تو خلیفۂ راشد نے ان کے خلاف تلوار اٹھائی اور ان کا قلع قمع کر دیا۔ اس طرح ان منافقین کو مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت کا مزہ چکھنا پڑا۔ یہ تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا جو دنیا میں انہیں ملی۔

۱۶۔ یعنی یہ منافقین جھوٹی عزت کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں، حالانکہ سچی عزت اللہ ہی کے لئے ہے کہ وہ عزیز، عظیم اور اعلیٰ ہستی ہے۔ اس کے بعد عزت اس کے لئے ہے جس کو وہ شرف سے نوازے۔ رسول منصبِ رسالت پر سرفراز ہوتا ہے اس لئے وہ یقیناً معزز ہے اور مومنین چونکہ اللہ کے وفادار بندے ہوتے ہیں اس لئے ان کے لئے بھی اللہ کی طرف سے عزت و اکرام ہے۔

۱۷۔ موقع کی مناسبت سے عام مسلمانوں کو خطاب کر کے نصیحت کی گئی ہے کہ وہ مال اور اولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں۔ اس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ منافقوں کو جس چیز نے غلط راہ پر ڈال دیا ہے وہ یہی مال اور اولاد کی محبت ہے۔ کسبِ مال میں ایسی

مصروفیت اور اولاد کو مادی فوائد پہنچانے اور ان کے دنیوی مستقبل کو شاندار بنانے میں ایسا انہماک کہ آدمی اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے، نہ نماز سے دلچسپی اور نہ شرعی ذمہ داریوں کا خیال اور نہ آخرت کی پرواہ تو انسان دنیوی مسائل میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور اس پر سعادت اور کامیابی کی راہ نہیں کھلتی۔

۱۸۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بشرطیکہ یہ خرچ خلوص دل سے ہو اللہ کی محبت بڑھتی ہے اور آدمی مال کا پرستار نہیں بنتا۔

منافقوں کے حال پر تبصرہ کرنے کے بعد اہلِ ایمان کو صدقہ و انفاق کی ہدایت اس اہم ترین تدبیر کی نشاندہی ہے، جو دل کے امراض کو دور کرتی اور ایمان کو پروان چڑھاتی ہے۔

۱۹۔ یہ تصویر ہے موت کے وقت کی کہ جب موت سامنے آ کھڑی ہوتی ہے تو آدمی محسوس کرنے لگتا ہے کہ جس مال کو میں نے سنبھال کر رکھا یہاں تک کہ اپنی شرعی ذمہ داریوں کو بھی ادا نہ کر سکا وہ مال اب میرے کیا کام آنے والا ہے۔ اس احساس کی بنا پر وہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ اے میرے رب کاش تو نے مجھے کچھ اور بھی مہلت دی ہوتی تاکہ میں صدقہ کرتا اور نیک بن جاتا۔ گویا موت کے آثار شروع ہوتے ہی دنیا کی بے وقعتی اور مال کا بے فائدہ ہونا شدت کے ساتھ محسوس ہونے لگتا ہے اور صدقہ کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا احساس ابھرتا ہے۔ مگر موت کے وقت اس احساس کے ابھرنے سے کیا فائدہ۔ اس لئے یہ آیت متنبہ کرتی ہے کہ موت کی گھڑی کے آنے سے پہلے ہی آدمی اپنی مالی ذمہ داریوں کو، جو شریعت نے عائد کی ہیں ادا کرے اور دل کھول کر اللہ کی خاطر خرچ کرے ساتھ ہی اپنے آپ کو نیکی کی راہ پر ڈال دے۔

''صدقہ'' اردو کے محدود معنی میں نہیں ہے جو کسی فقیر کو دیا جاتا ہے، بلکہ قرآن کے وسیع تر مفہوم میں ہے۔ یعنی وہ خرچ صدقہ ہے، جو اللہ کا تقرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا جائے اس کا اطلاق زکوٰۃ پر بھی ہوتا ہے، دیگر واجب اور غیر واجب صدقات پر بھی، نیز اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے خرچ کرنے پر بھی۔

آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ صدقہ و انفاق سے نیکی کی طرف رجحان بڑھ جاتا ہے اور آدمی کے لئے نیک بننا آسان ہوتا ہے۔ اس لئے اس نسخہ کو استعمال کر کے آدمی اپنے کو صالح بنالے۔ ورنہ ایک غیر صالح مسلمان کی موت بھی حسرت ہی کی موت ہوتی ہے۔

۲۰۔ یعنی اچھی طرح سمجھ لو کہ موت کے وقت پچھتانا بے کار ہوگا۔ جو مہلت جس شخص کو دی گئی ہے اس کی اس مہلت میں ہرگز اضافہ ہونے والا نہیں لہٰذا موت آنے سے پہلے ہی وہ سامان کر لو جو موت کے بعد کام آئے۔

۶۴۔التغابُن

نام آیت ۹ میں یومُ التغابُن (وہ دن جب آخرت کا انکار کرنے والے زبردست خسارہ سے دوچار ہوں گے) کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''التَّغَابُن'' ہے۔

زمانۂ نزول مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدینہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون اس بات کا یقین پیدا کرنا ہے کہ آخرت کی کامیابی اصل کامیابی ہے۔اس لئے اس کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنا طرز عمل درست کرلینا چاہئے۔جو لوگ اس کو نظر انداز کریں گے وہ سخت گھاٹے سے دوچار ہونے والے ہیں۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۴ میں اللہ کی معرفت بخشی گئی ہے۔اور واضح کیا گیا ہے کہ کائنات کی تخلیق مقصدِ حق کے لئے ہوئی ہے۔

آیت ۵ تا ۷ میں رسالت اور آخرت کا انکار کرنے والوں کو اس کے نتائج سے خبردار کیا گیا ہے۔

آیت ۸ تا ۱۰ میں ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور خسارہ کے دن سے آگاہ کیا گیا ہے۔اس خسارہ سے اہل ایمان پوری طرح محفوظ رہیں گے اور انہیں زبردست کامیابی حاصل ہوگی۔لیکن انکار کرنے اور جھٹلانے والوں کو جہنم کا ابدی عذاب بھگتنا ہوگا۔

آیت ۱۱ تا ۱۳ میں فہمائش کی گئی ہے کہ دنیوی مصیبتوں کے ڈر سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ موڑنا،اپنے ہی حق میں غلط فیصلہ کرنا ہے جس کے نتائج نہایت تباہ کن ہونگے۔

آیت ۱۴ تا ۱۸ میں اہل ایمان کو موقع کی مناسبت سے چند ہدایتیں دی گئی ہیں۔ایک یہ کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کی طرف سے چوکنا رہیں کہ وہ ان کو غلط راہ پر تو نہیں ڈال رہے ہیں۔دوسرے یہ کہ یہ مال اور اولاد آزمائش ہیں،لہٰذا ان کی محبت میں ایسے گرفتار نہ ہوں کہ آخرت سے غافل ہو جائیں۔تیسرے یہ کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں جتنا کہ بس میں ہے اور چوتھے یہ کہ دل کی تنگی سے بچیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ
وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ
وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا
اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ
وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ
لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧

۶۴۔ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ

آیات : ۱۸

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

[۱] اللہ کی تسبیح کرتی ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اس کیلئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۔

[۲] وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مؤمن ۲۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ۳۔

[۳] اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کیساتھ پیدا کیا ہے ۴۔ اور تمہاری صورت گری کی تو اچھی صورتیں بنائیں ۵۔ اور اسی کی طرف لوٹنا ہوگا۔

[۴] وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور تم جو کچھ چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اسے وہ جانتا ہے۔ اور اللہ سینے کی پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے۔

[۵] کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا، تو انہوں نے اپنے عمل کا وبال چکھ لیا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ ۶۔

[۶] یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ آتے رہے۔ لیکن انہوں نے کہا! کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے ۷؟ اس طرح انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لیا (لہٰذا) اللہ بھی ان سے بے پرواہ ہو گیا ۸۔ اور اللہ بے نیاز اور لائق حمد ہے۔

[۷] جن لوگوں نے کفر کیا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہرگز اٹھائے نہیں جائیں گے۔ کہو کیوں نہیں! میرے رب کی قسم، تم ضرور اٹھائے جاؤ گے ۹۔ پھر تمہیں بتایا جائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ اور یہ کام اللہ کیلئے نہایت آسان ہے۔

[۸] تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کے نور پر، جو ہم نے نازل کیا ہے ۱۰۔ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔

۱۔ یہ سورہ کی تمہیدی آیت ہے جس میں اللہ کی معرفت بخشی گئی ہے۔ اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت اس کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے قرآن ایمان لانے اور اطاعت کرنے کا صرف حکم ہی نہیں دینا، بلکہ اس کے ساتھ علم کی روشنی بھی عطا کرتا ہے تاکہ قلب و ذہن اس کے لئے پوری طرح آمادہ ہوں۔

جب یہ حقیقت ابھر کر انسان کے سامنے آجاتی ہے کہ کائنات کی پوری بزم اللہ کی تسبیح اور حمد کرنے میں زمزمہ سنج ہے تو یہ حقیقت اس کے دل کو مس کرتی ہے اور وہ بھی اس بزم کی ہم نوائی کرتے ہوئے اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد کرنے میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی عبادت ہے۔

۲۔ یعنی جب یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے، تو تمہیں اس پر ایمان لانا چاہیئے۔ مگر صورتِ حال یہ ہے کہ تم میں سے کوئی مؤمن ہے تو کوئی کافر۔

۳۔ وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اس لئے عمل کے مطابق وہ جزا یا سزا دے گا۔

۴۔ یعنی مقصدِ حق کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ ہے عدل و انصاف اور جزا و سزا کا معاملہ، جس کا مکمل ظہور قیامت کے دن ہوگا۔

۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ مؤمن نوٹ ۹۱۔

۶۔ اشارہ ہے ہلاک شدہ قوموں کی طرف مثلاً قومِ نوح، عاد، ثمود وغیرہ۔

ان قوموں کو ان کے کفر کی سزا دنیا میں بھی ملی اور آخرت میں تو انہیں دردناک عذاب بھگتنا ہوگا۔

۷۔ رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا تھا، مگر چونکہ یہ رسول انسان تھے اس لئے مغرور لوگوں نے اپنی کسرِ شان سمجھی کہ وہ بشر کو رسول اور اپنا رہنما تسلیم کرلیں۔ ان کے نزدیک ہدایت و رہنمائی کے لئے ضروری تھا کہ اللہ فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا۔ ایک طرف تو انہیں بشر ہونے کی بنا پر رسول کو رہنما تسلیم کرنے سے انکار تھا اور دوسری طرف ان کا حال یہ تھا کہ وہ گمراہ لوگوں کو اپنا رہنما بنائے ہوئے تھے۔ اور اینٹ پتھر کو انہوں نے اپنا خدا بنا لیا تھا۔ ان کھلی حماقتوں پر نہ انہیں غیرت محسوس ہوتی تھی اور نہ وہ انہیں اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور جو عقل کا اندھا ہو وہ ہدایت کیا پا سکتا ہے!

۸۔ یعنی جب انہوں نے ہدایت کی طرف سے منہ موڑ لیا تو اللہ کو بھی ان کی ہدایت کی پروا نہ رہی، کیونکہ اللہ ہدایت اسی کو دیتا ہے جو اس کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو۔

۹۔ نبی ﷺ کو یہ ہدایت کہ اپنے رب کی قسم کھا کر یہ اعلان کریں کہ لوگوں کو ضرور دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، وثوق اور قطعیت کے اظہار کے لئے ہے۔ یعنی میں اپنے رب کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ تمہارا دوبارہ اٹھایا جانا بالکل یقینی اور قطعی ہے۔ اس میں ذرہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں۔

۱۰۔ نور سے مراد قرآن ہے جو علم کی روشنی ہے۔ اس آیت میں اللہ، اس کے رسول اور قرآن پر ایمان لانے کی براہِ راست دعوت دی گئی ہے۔ یہ دعوت حقیقۃً تمام انسانوں کے لئے ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ
وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾

٩ جس دن اللہ تمہیں اکھٹا کرے گا (سب کو) اکھٹا کرنے کے دن ۱۱؎۔ وہ خسارے کے ظاہر ہونے کا دن ہوگا ۱۲؎۔ جو ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کرتے رہے ہوں گے ان کے گناہوں کو وہ دور کرے گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔ ۱۳؎

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٠﴾

١٠ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا وہ دوزخی ہونگے ہمیشہ اسمیں رہنے والے۔ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ۱۴؎

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ
يَهْدِ قَلْبَهٗ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١﴾

١١ کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ کے اذن سے ۱۵؎۔ اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کی رہنمائی کرتا ہے ۱٦؎۔ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا
عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٢﴾

١٢ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم منہ پھیرتے ہو تو ہمارے رسول پر صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾

١٣ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں۔ اور اللہ ہی پر مؤمنوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ
فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾

١٤ اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔ تو ان سے ہوشیار رہو ١٧؎۔ اور اگر تم معاف کرو، درگزر سے کام لو اور بخش دو، تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ١٨؎

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾

١٥ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں ١٩؎۔ اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا
خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٦﴾

١٦ لہٰذا جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو ٢٠؎۔ اور سنو اور اطاعت کرو ٢١؎۔ اور خرچ کرو اپنی بھلائی کیلئے ٢٢؎۔ جو اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ ٢٣؎

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ
وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾

١٧ اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو ٢٤؎۔ تو وہ تمہارے لئے اُسے کئی گُنا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ اللہ بڑا قدرداں اور بردبار ہے۔ ٢٥؎

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

١٨ غائب اور حاضر سب کا جاننے والا اور غلبہ اور حکمت والا ہے۔

۱۱۔ یعنی قیامت کا دن تمام اگلے پچھلے انسانوں کو اکٹھا کرنے کا دن ہوگا اور اس دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔ گویا اس اجتماع کے دن روئے زمین پر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رہوگا۔ کوئی نہ ہوگا جو مرنے کے بعد زندہ نہ ہوا ہو۔

۱۲۔ اصل میں لفظ تغابُن استعمال ہوا ہے جو غَبن سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور جس کے معنی خرید وفروخت میں گھاٹے اور نقصان کے ہیں۔ لسان العرب میں ہے:

وَ الْغُبن فی البیع و الشراء الو کس (ج ۱۳ ص ۳۱۰)

''بیع وشراء میں غبن یعنی نقصان۔''

دنیا میں انسان اپنا جو سرمایۂ حیات لگا تا ہے اسے قرآن تجارت سے تعبیر کرتا ہے۔ کافر اپنا سرمایۂ حیات اپنی دنیا بنانے اور گمراہی خریدنے میں لگا تا ہے اس لئے وہ گھاٹے کا سودا کرتا ہے اور یہ گھاٹا قیامت کے دن کھل کر سامنے آئے گا اور اس وقت اسے احساس ہوگا کہ اس نے بالکل غلط کام میں اپنا سرمایۂ حیات لگایا تھا اور اس کا نتیجہ آج (قیامت کے دن) یہ ہے کہ وہ خسران اور تباہی سے دوچار ہے۔

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُ الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُھُمْ وَ مَا کَانُوْ امُھْتَدِیْنَ۔ (بقرہ:۱۶)

''یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خریدی، تو ان کی تجارت ان کے لئے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوئی اور نہ وہ ہدایت پانے والے بنے۔''

قیامت کا دن کافروں کے لئے تغابن یعنی خسارے سے دوچار ہونے کا دن ہوگا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح سورۂ قمر میں فرمایا ہے:

یَقُوْلُ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ۔ کافر کہیں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔''

۱۳۔ یعنی جن لوگوں نے ایمان لا کر صالحانہ زندگی گزاری تھی وہ قیامت کے دن ہر طرح کے خسارہ سے محفوظ ہوں گے اور انہیں زبردست کامیابی حاصل ہوگی۔ یعنی جنت کیونکہ انہوں نے اپنا سرمایۂ حیات اس کام میں لگایا تھا جو آخرت میں مفید ہونے والا تھا۔

۱۴۔ جس خسارہ سے کافر قیامت کے دن دوچار ہوں گے یہ اس کی تشریح ہے۔

۱۵۔ اس کی تشریح سورۂ حدید نوٹ ۴۷ میں گذر چکی۔

یہاں یہ بات اس مناسبت سے ارشاد ہوئی ہے کہ مصائب کے ہجوم کو دیکھ کر ایک مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ترک نہ کردے۔ مصیبتیں اللہ کے اذن سے آتی ہیں اور ان میں اہل ایمان کا امتحان ہوتا ہے اور اس امتحان میں وہ پورے اسی وقت اتر سکتے ہیں جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ثبوت دیں۔

۱۶۔ یعنی جو شخص اللہ پر پختہ ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ مصائب کے ہجوم میں سے اس کے دل کو ہدایت کی روشنی بخشتا ہے اور اس کی ایسی رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ کے بارے میں اسکے دل میں بدگمانی پیدا نہیں ہوپاتی اور نہ وہ شکوہ شکایت کرنے لگتا ہے۔ اللہ اس کے جذبات کو صحیح رخ پر موڑتا ہے۔ جس سے ایمانی کیفیت کا ظہور ہوتا ہے اور اسے قضائے الٰہی پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

۱۷۔ یہاں دشمن کا لفظ ان معنی میں استعمال ہوا ہے کہ بعض بیویاں اور اولاد مسلمان ہونے کے باوجود اپنی جہالت، کم فہمی، یا نافرمانی وغیرہ کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ مال کمانے اور معاشی لحاظ سے معیارِ زندگی بلند کرنے پر اس طرح اکساتی ہیں کہ آدمی دنیا ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے اور دین کے تقاضوں کو پورا کر نہیں پاتا۔ اسی طرح دین جب قربانیوں کا طالب ہو تو وہ حوصلہ کو پست کردیتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ محض اپنی دنیا بنانے کے لئے خلافِ شرع کام کرنے پر اصرار کرنے لگتی ہیں۔ ایسے ہی موقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت دی ہے کہ وہ ان سے ہوشیار رہیں اور ان کی باتوں اور ان

کے مشوروں کو شریعت کی روشنی میں دیکھیں، بے سوچے سمجھے ان کی باتیں ہرگز نہ مانیں۔ یہ احتیاط بیویوں اور اولاد کے سلسلہ میں ضروری ہے۔

واضح رہے کہ آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ ہر شخص کی بیوی اور اولاد ایسی ہی ہوتی ہے بلکہ فرمایا گیا ہے کہ بعض ایسی ہوتی ہیں اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے کہ کتنے ہی لوگوں کی بیویاں اور کتنے ہی لوگوں کی اولاد صالح ہوتی ہیں، ایسی بیویاں اپنے شوہروں کے دینی کاموں میں معاون بن جاتی ہیں اور بہترین رفیقۂ حیات ثابت ہوتی ہیں۔ اسی طرح نیک اولاد اپنے باپ کیلئے دین کے تقاضوں کو پورا کرنے میں مددگار بنتی ہے اور اپنے ماں باپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے۔

۱۸۔ یعنی چوکنا رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کی غلط روش پر سخت گیر بنو یا انتقامی کاروائی کرنے لگو نہیں، بلکہ تمہارا رویہ معاف کرنے چشم پوشی سے کام لینے اور بخش دینے کا ہونا چاہئے۔ یہاں ایک نہیں تین تین الفاظ استعمال کئے گئے ہیں تا کہ عفو درگزر میں حسن کا پہلو نمایاں ہو۔ معاف کرو کا مطلب یہ ہے کہ ان پر گرفت نہ کرو، درگزر سے کام لو کا مطلب یہ ہے کہ ان کی غلط باتوں سے چشم پوشی کرو اور ان کا کوئی اثر قبول نہ کرو اور بخش دو کا مطلب یہ ہے کہ دل سے انہیں معاف کردو۔ یہ وسیع الظرفی تمہیں اللہ کی نظر میں محبوب بنائے گی اور وہ بھی تمہیں بخش دے گا اور تم کو اپنی رحمتوں سے نوازے گا، اور کیا عجب کہ تمہارے اس طرزِ عمل سے متاثر ہو کر تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد بھی اصلاح کی طرف مائل ہوجائیں۔

۱۹۔ آزمائش اس بات کی کہ مال اور اولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر تم اللہ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیتے ہو یا اس کی محبت کو غالب رکھتے ہوئے اس کی اطاعت میں زندگی گزارتے ہو۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ منافقون نوٹ ۱۷۔

۲۰۔ مال اور اولاد کی کشش تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے قدم قدم پر رکاوٹ کا باعث بنتی ہے لیکن اگر ایک مؤمن جس حد تک اس کے بس میں ہے تقویٰ اختیار کرے تو اللہ سخت گرفت نہیں کرے گا اور قصوروں سے درگذر فرمائے گا۔ یہ اشارہ متقیوں کے لئے امید کی کرن ہے۔

قرآن میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ۔ (آل عمران:۱۰۲)

''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔''

اور یہاں فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔

''جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

معلوم ہوا کہ ایک شخص جس حد تک کہ اس کے بس میں ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، تو وہ تقویٰ کا حق ادا کردیتا ہے۔ اس سے اسی قدر مطالبہ کیا گیا ہے اور کوئی ایسی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی گئی ہے جو اس کے بس میں نہ ہو۔

یہ ارشاد کہ ''جہاں تک تمہارے بس میں ہے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔'' بہت بڑا رہنمائے اصول ہے جس سے ہر طرح کے ناسازگار حالات اور پر پیچ مسائل میں روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور موجودہ ماحول میں جب کہ ہر طرف سے شرکی یلغار ہے اور باطل نظاموں نے شریعت پر چلنا دوبھر کردیا ہے اس رہنمائے اصول کی روشنی میں ایک مسلمان تقویٰ کی راہ طے کرسکتا ہے۔

۲۱۔ مجبوریاں اپنے دائرہ میں لیکن ایک مسلمان کا عام رویہ اللہ کے احکام کو دل سے سننے اور ان کی اطاعت کرنے ہی میں ہونا چاہیئے۔

۲۲۔ اللہ کے لئے خرچ کرنے سے مال کی محبت گھٹ جاتی ہے اور اللہ کی محبت بڑھ جاتی ہے۔

۲۳۔ اس کی تشریح سورۂ حشر نوٹ ۲۳۔ میں گزر چکی۔

۲۴۔ مراد اللہ کی راہ میں بالخصوص جہاد کے لئے خرچ کرنا ہے۔

۲۵ اللہ قدرداں ہے، وہ اپنے بندوں کے ہر نیک عمل کی قدر فرماتا ہے۔اور وہ حلیم (بردبار) ہے اس لئے قصوروں پر فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اصلاح کا موقع دیتا ہے۔